ثمرہ بخاری

دو وفا ہے عزیز

اُس کا صرف نام ہی کالا خان تھا ورنہ رنگ تو سرخ و سفید تھا اور آنکھوں کا رنگ سبزی مائل نیلاہٹ لئے ہوئے تھا۔ وہ پہاڑوں کا بیٹا تھا' جفاکش' محنتی اور محبت کے بدلے میں محبتیں لٹانے والا۔ اس کا دل صاف تھا اور زبان کا کھرا تھا اس کے چہرے پر بظاہر سنگلاخ چٹانوں جیسی سختی تھی مگر اس کا دل بہت گداز تھا آمدنی کم تھی مگر اس کے باوجود دوسروں کی مدد کو وہ ہمیشہ تیار نظر آتا تھا۔ استاد قادر خان کہتا۔

"تمہاری بیوی قدرتی موت نہیں مرا اسے تیری ان فیاضیوں نے مارا ہے۔" اور کالا خان اس مذاق پر دل کھول کر ہنس دیتا اور کہتا۔

"استاد! ابھی ہمیں روپیہ پیسہ ادھر ادھر خرچ کرنے سے مت روکو' ہاں جب ہمارا بیٹی بڑا ہو جائے گا پھر ہم اس کو اسکول داخل کروائے گا اور سارا پیسہ اس کی تعلیم پر خرچ کرے گا۔"

"ارے چھوڑو کالا خان! غریبوں کے بچے بھی بھلا اسکول جاتے ہیں تم اس کی شادی کی فکر کرو' بس ذرا سی بڑی ہو جائے تو اسے اس کے گھر بھیج دو شادی بنا کر۔"

مگر کالا خان پر ان باتوں کا اثر نہیں ہوتا تھا' اس کی

ناولٹ

شدید خواہش تھی کہ اکلوتی بیٹی زرین گل پڑھ لکھ جائے اور بہت اچھی زندگی گزارے۔ نیلی آنکھوں اور گلابی گالوں والی زریں گل جس کے بالوں کا رنگ سونے جیسا تھا اور جس کے ہونٹ عنابی تھے۔ کالا خان کو بہت پیاری تھی' وہ ابھی آٹھ سال کی تھی اور خان سوچتا تھا دس سال کی ہو جائے تو یہاں سے تین میل کے فاصلے پر جو لڑکیوں کا اسکول ہے جس کی چھت ٹین کی ہے اور جس کے آس پاس سیبوں کے بہت سے درخت ہیں' وہاں اسے داخل کرا دوں گا ابھی تو بہت چھوٹی ہے اس کے لئے اکیلے اتنی دور جانا مشکل ہوگا۔ خاص طور پر بارشوں کے موسم میں یہاں ہریالی بہت ہو جاتی ہے اور جنگلی جانور بھی نظر آنے لگتے ہیں' ایسے میں اکیلی زرین گل ڈر جائے گی بس ذرا

بڑی ہو جائے پھر بہادر ہو جائے گی۔"

کالا خان سارا دن کام کے سلسلے میں گاؤں سے باہر قریبی نہر میں ہوتا' شام کو کسی بس یا ویگن پر بیٹھ کر وہ بل کھاتے راستوں سے گزرتا واپس اپنے گاؤں آجاتا۔ ویگن بڑی سڑک پر اتار کر خود چکر کھاتی سڑک پر گم ہو جاتی اور وہ پہاڑی راستوں پر دوڑتے ہوئے دور ہی سے پکارتا زرین گل او بٹی زریں گل اور جو دور اپنے چھوٹے سے گھر میں بیٹھی اس کی راہ دیکھنے والی بیٹی یہ آواز سن لیتی تو دیوانہ وار دوڑ پڑتی اور راستے میں ہی باپ سے لپٹ جاتی۔

وہ دن بھر سہیلی لڑکیوں کے ساتھ گاؤں سے لکڑیاں چنا کرتی تھی اور کھانا شام کو اس کا بابا آکر پکاتا تھا کہ گھر میں کوئی عورت تو تھی ہی نہیں۔ کئی بار مولوی صاحب اور گاؤں کے دوسرے افراد نے کالا خان سے کہا "کب تک مری ہوئی بیوی کا سوگ مناؤ گے دوسری عورت ڈال لو اب گھر میں" مگر اس کے پاس اتنی رقم ہی کہاں تھی کہ وہ دوسری عورت کرنے کے بارے میں سوچتا بس وہ تھا اور زرین گل جس کے مستقبل کے بارے میں وہ بڑے بڑے منصوبے باندھا کرتا تھا۔

زریں عام پہاڑی لڑکیوں کی طرح صحت مند اور قد آور نہیں تھی۔ وہ کچھ تو شروع سے ہی دبلی پتلی سی تھی اور کچھ ماں کی وفات نے اس پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ وہ کافی عرصے بیمار رہی تھی اور کالا خان شہر سے اس کے لئے دوائی لاتا رہا تھا۔ اب بھی وہ آتے ہوئے کبھی اس کے لئے اخروٹ کبھی انجیر اور کبھی بادام لاتا رہتا تھا' اسے بیٹی کی صحت کی طرف سے فکر رہتی تھی۔

اس روز اسے معمول سے زیادہ دیر ہو گئی تھی۔ زرین پہلے گھر کے دروازے میں کھڑی باپ کی راہ دیکھتی رہی پھر سڑک کی طرف آکر گول پتھر پر بیٹھ کر وہ شہر کی طرف سے آنے والی گاڑیوں کو دیکھتی رہی۔ میرا بابا روز تو اس وقت تک آجاتا تھا۔ آج کیوں نہیں آیا' اس کا دل پریشان ہو رہا تھا' خاصی دیر کے بعد ایک گاڑی آکر رکی اور دوسرے مسافروں کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے باپ کو بھی اترتے دیکھا۔

"بابا.....!" زرین اسے دیکھتے ہی خوشی سے چلائی

باپ نے اس کی طرف دیکھا ضرور' مگر آج لپک کر اس کے پاس نہیں آیا' زرین خود ہی پہاڑی راستوں پر بھاگتی سڑک تک آگئی۔

"ارے بابا! یہ کون ہے؟" اس نے باپ کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"یہ تمہارا چاچا ہے مراد۔ یہ اب ادھر ہی رہے گا ہمارے پاس۔"

کالے خان نے پندرہ سولہ سالہ نوجوان کو سہارا دے کر چلانا شروع کیا ساتھ ہی بیٹی سے بولا۔

"تمہارا مراد چچا زخمی ہے' تم بھاگ کر گھر جاؤ اور آگ جلاؤ میں آکر کھانا تیار کرتا ہوں۔"

اور بیٹی نے حکم کی تعمیل کی' زخمی کی وجہ سے کالے خان کو گھر پہنچنے میں کافی دیر لگی۔ تب تک ننھی زرین آگ جلا چکی تھی اور اس نے بابا کے ساتھ ساتھ مہمان چچا کے لئے بھی بستر لگا دیا تھا بابا سہارا دے کر اسے اندر لا رہا تھا اور درد کی شدت سے اس نوجوان کے منہ سے دبی دبی کراہیں نکل رہی تھیں۔

"بابا! چچا کو کیا ہوا ہے؟" زرین اس کی تکلیف کی شدت سے گویا متاثر ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"اس کی ٹانگ پر زخم آگیا ہے' بیٹی! مگر فکر کی کوئی بات نہیں ہم شہر کے ڈاکٹر سے بہت اچھی سی دوا لے کر آیا ہے' مراد بہت جلد اچھا ہو جائے گا' تم ایسا کرو کہ ایک پیالے میں دودھ لے کر آؤ۔"

"مجھے دودھ نہیں پینا۔" اجنبی نے کراہوں کے درمیان کہا۔

"تم سے کس نے پوچھا' تم ادھر چپ کر کے پڑے رہو۔" کالے خان نے پیار بھرے انداز میں اسے ڈانٹ پلانے کے بعد بستر پر بٹھا دیا اور خود نیچے بیٹھ کر شلوار کا پائنچہ اونچا کرنے کے بعد اس کی ٹانگ کا زخم دیکھنے لگا۔

"بہت درد ہو رہا ہے۔" مراد نے اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔

"ٹھہرو میں ابھی دوا لگا دیتا ہوں' آرام آجائے گا تم نے سنا نہیں' ڈاکٹر صاحب نے بولا تھا' یہ معمولی زخم ہے تم جیسے جوان آدمی کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔"

"لو جی اب درد ہو تو شور بھی نہ مچاؤں۔" نوجوان برا مان گیا۔

"مچاؤ مچاؤ شور، تم کو بھلا کون روک رہا ہے مگر سوچ لو پھر سب تم کو بزدل کہے گا۔" اس نے جیسے ڈراوا دیا۔

"نہیں ہوں، بزدل۔" مراد نے جلدی سے کہا، خان نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں ٹانگ کے زخم پر دوا لگاتا رہا اس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ زرین دودھ سے لبالب پیالہ لیے اندر آگئی، اس نے پیالہ دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا اس ڈر سے کہ چھلک نہ جائے آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی اور نظریں برتن پر بھی تھیں۔ خان نے آگے بڑھ کر برتن اس کے ہاتھ سے لے لیا اور مراد کو تھما دیا۔

"کیا ہے یہ؟۔" مراد نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"دودھ ہے یار! اسے پی لو، تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔" نوجوان نے پیالہ لے لیا اور ہونٹوں سے لگا لیا۔ زرین دلچسپی سے اپنے اس اجنبی چچا کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ اس نے برتن خالی کر کے نیچے فرش پر رکھ دیا۔

"تو اب تم لیٹ جاؤ اور سونے کی کوشش کرو جب تم جاگو گے تو درد ٹھیک ہو چکا ہو گا۔"

"میں یہاں زیادہ دن نہیں ٹھہروں گا۔" مراد کا انداز قطعیت بھرا تھا۔

"کیوں.....؟۔" کالا خان نے اس فیصلے کی وجہ جاننا چاہی۔

"خوامخواہ تم پر بوجھ پڑے گا۔ میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔"

"سنو مراد میں نے تمہیں بھائی بولا ہے اور کبھی بھائی بھی بھائی پر بوجھ ہوتا ہے تم جب تک ٹھیک نہیں ہو جاتے یہیں رہو گے میری بیٹی تمہاری بہت خدمت کرے گی۔ کیوں زرین گل ٹھیک بول رہا ہوں نا میں۔" اور گڑیا سی بچی نے جھٹ اثبات میں سر ہلا دیا۔ اگلے روز مراد کے زخم کو خاصا آرام تھا اور کل درد کی وجہ سے جو جھلاہٹ اس پر طاری تھی آج اس کا نام و نشان نہیں تھا صبح اٹھ کر وہ منہ ہاتھ دھونے کالا خان کے ساتھ پہاڑی چشمے تک گیا تھا واپس آیا تو زرین دودھ گرم کیے اس کی منتظر تھی۔

آج مراد نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی جانب دیکھا اور اس کے آگے جھک کر پیار سے بولا۔

"او بلی تمہارا نام کیا ہے؟۔" پیچھے سے کالا خان نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔

"یار اتم بھی کمال کے آدمی ہو میں کل سے زرین زرین پکار رہا ہوں اور تم پوچھتے ہو نام کیا ہے۔"

"کل مجھے ہوش ہی کہاں تھا برادر کہ کچھ سنتا۔" پھر خود ہی بولا "اچھا تو اس کا نام زرین ہے" ساتھ ہی پیار سے بچی کے گالوں کو چھوا۔

"ہاں یہ میری پیاری بچی ہے۔ اس کا نام ہے زرین گل جب یہ بڑی ہو جائے گی تو میں اسے اسکول میں داخل کراؤں گا اور بہت سا پڑھاؤں گا۔"

"میں نے دودھ گرم کر دیا ہے بابا۔" زرین نے ان باتوں میں دلچسپی نہیں لی۔

زرین گل کا مہمان چچا جس کی رنگت گندمی تھی، اور جس کی آنکھوں اور سر کے بال بالکل سیاہ تھے اور جس کے دانت اتنے سفید تھے کہ جب وہ ہنستا تھا تو اک روشنی سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی تھی وہ پہاڑی لوگوں میں اجنبی اجنبی سا لگتا تھا کہ یہاں رنگ صاف تھے اور آنکھوں اور بالوں کی رنگت بھی ایسی سیاہ کالی تو کسی کی نہ تھی۔

وہ لڑکا جس کے چہرے پر جوانی کا سبزہ پھوٹ رہا تھا، سب کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ سارے بچے زرین کی دیکھا دیکھی اسے چچا کہنے لگے اور نوجوان اسے دیکھ کر نام ضرور پوچھتے ہاتھ ملاتے اور آگے بڑھ جاتے جب کہ بڑے بوڑھے اپنے پاس بٹھا کر نیچے کے میدانی علاقوں کے حالات دریافت کرنے لگتے اور اپنے ان تجربات کے بارے میں بتاتے جو کبھی میدانی علاقوں میں جا کر انہوں نے حاصل کیے تھے۔

"تم لوگ بہت خوش باش ہو اور پر امید بھی میں نے ہمیشہ تم لوگوں کو ہنستے مسکراتے اور ایک دوسرے پر فقرے اچھالتے ہی پایا تھا۔" ایک بوڑھا اسے کہہ رہا تھا اور جواب میں مراد مسکرا دیا تھا۔

"اور ادھر نیچے میدانوں میں مزدوری بہت تم ادھر اوپر کیا لینے آگیا۔" یہ سوال کسی اور کا تھا۔

"مجھے کالا خان کی دوستی اور اس کا پیار ادھر لے آیا ہے۔" اس نے یہ نہیں بتایا کہ نیچے میدانوں میں اب اس کا کوئی نہیں رہا تھا۔ "ماں کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد میرا ادھر دل ہی نہیں لگا اور میں یونہی پھرتا پھراتا آخر کار ادھر آنکلا یہاں مجھے کالا خان مل گیا ہم ایک ہی جگہ کام کرتے تھے اس نے مجھے بھائی بنالیا اب جب میں ایک حادثے میں زخمی ہوا تو اپنے گاؤں لے آیا۔"

"چچا تمہاری آنکھیں اور تمہارے بال کتنے کالے ہیں"

"اور میرا رنگ بھی تو تمہاری طرح صاف نہیں۔" مراد زرین کی بات پر مسکرا کر بولا۔

"تمہاری آنکھیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں چچا۔"

"ہوں اور مجھے تمہاری آنکھیں اچھی لگتی ہیں ایسا کرتے ہیں ہم آنکھیں بدل لیتے ہیں تم میری لے لو اور میں تمہاری لے لیتا ہوں۔"

اس بات پر وہ خوب ہنسی اور بولی۔ "ایسا بھلا کب ہو سکتا ہے"

"ہاں واقعی کام مشکل تو ہے یہ — ہو سکتا ہے دونوں اندھے ہو جائیں۔" اب کہ مراد ہنس کر بولا تھا۔

"ہائے نہیں ایسے ہی ٹھیک ہیں۔ تم میرے پاس ہی تو ہو اور میں تمہاری آنکھیں دیکھتی تو ہوں یہ اتنی کالی کیسے ہو گئیں۔"

"میں جب چھوٹا تھا تو بتاشے بہت کھاتا تھا بس اسی وجہ سے آنکھیں کالی ہو گئیں۔" مراد کو شرارت سوجھ رہی تھی۔

"میں سچ کہہ رہے ہو۔" زرین اشتیاق سے بولی۔

"بالکل سچ، پہلے تو میری آنکھیں بھی تمہاری ہی طرح کی تھیں۔"

"اچھا تو اگر میں بتاشے کھاؤں گی تو میری آنکھیں بھی تمہاری جیسی ہو جائیں گی چچا۔"

"ہاں ہاں بالکل۔" مراد نے مکمل یقین دلایا۔

اور جب شام کو کالا خان بیٹی کے لئے خشک انجیر اور اخروٹ لے کر آیا تو اس نے ان چیزوں کی طرف دیکھا تک نہیں، یہی کہتی رہی مجھے تو بتاشے چاہیے۔

"بتاشے چاہئیں مگر کیوں؟۔"

"اس لئے کہ مجھے کالی آنکھیں اچھی لگتی ہیں" مراد نے مسکراہٹ دبالی اور انجان بنا لکڑیوں میں پھونکیں مار کر آگ تیز کرنے لگا۔

"کالی آنکھیں اچھی لگتی ہیں بتاشے چاہئیں میں تمہاری بات بالکل نہیں سمجھا زرین۔"

"تمہاری بیٹی بہت بے وقوف ہے برادر یہ سارا دن مجھ سے بھی ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی ہے۔" پھونکوں کا سلسلہ روک کر مراد بولا تھا۔

"مجھے چچا نے کہا ہے۔ بتاشے کھانے سے آنکھیں کالی ہو جاتی ہیں یہ بتا رہا تھا پہلے اس کی آنکھیں بھی نیلی تھیں مگر اب دیکھو تو کیسی کالی ہیں چمکتی ہوئی۔"

"او تو یہ تمہاری شرارت ہے مراد" کالے خان زور دار قہقہہ لگانے کے بعد اس کی جانب لپکا' اور وہ ہنستا ہوا بظاہر آنچ بڑھانے کے لئے لکڑیوں پر اور بھی جھک گیا۔

"نہیں بابا لادو گے نا بتاشے۔" زرین نے پھر پوچھا۔

"تم مراد چچا سے ہی کہہ دینا یہی لا کر دے گا دیکھو نا اگر مجھے پتا ہوتا کہ یہ کیا بلا ہے تو میں خود نہ کھا لیتا آخر میری آنکھیں بھی تو نیلی نیلی ہیں۔"

مراد کا زخم ابھی پوری طرح بہتر نہیں ہوا تھا اور کالے خان اسے کام پر نہیں جانے دیتا تھا وہ کہتا جب تک پوری طرح صحت یاب نہیں ہو جاؤ گے کام پر نہیں جاؤ گے آخر وہاں پر اتنا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے تمہاری ٹانگ کا زخم بڑھ بھی سکتا ہے" وہ خود تو صبح سویرے ہی کام پر نکل جاتا اور بعد میں مراد اور زرین دوسرے بچوں کے ساتھ سارا دن ادھر ادھر پھرتے رہتے کبھی چشمے کے کنارے اور کبھی سیبوں کے جھنڈ کے قریب چلے آتے اور مراد سے فرمائش ہوتی کہ کوئی اچھی سی کہانی سنائے۔

نوجوان پہاڑی لڑکے اسے اپنے درمیان اجنبی تصور کرتے تھے وہ اس سے زیادہ بات بھی نہیں کرتے تھے مگر بچے بہت چاہنے لگے تھے۔ اسے انہیں اس کی گندمی رنگت' کالی آنکھیں کالے گھنے بال اور چمکتے

سفید دانت بہت اچھے لگتے تھے، جب وہ ہنستا تھا تو اس کے دانتوں سے اک روشنی سی پھوٹتی محسوس ہوتی تھی۔

"چچا تم یہیں رہ جاؤ میرے پاس، دیکھو نا بابا تو چلا جاتا ہے اپنے کام پر، میں گھر میں اکیلی ہوتی ہوں، تم رہ جاؤ نا، میرے پاس اپنے گھر واپس نہیں جاؤ۔" زرین کا دل اس ساتھ بہت لگنے لگا تھا اس کی بات سن کر وہ مسکرایا پھر بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے، میں کوئی کام وام نہیں کرتا۔ میری روٹی پانی کا انتظام اللہ اوپر سے کرواتا ہے اور میں بغیر کسی محنت کے بس کھالیتا ہوں۔"

زرین اس کی بات سمجھی تو نہیں بس دلچسپی سے اسے دیکھتی اور سنتی رہی تب وہ بولا۔

"میں بھی کام پر جاتا ہوں۔ وہ تو اب زخمی ہو گیا ہوں حالانکہ زخم کچھ ایسا بڑا بھی نہیں مگر تمہارا بابا کہتا ہے جب تک پوری طرح ٹھیک نہیں ہو جاتے۔ تم یہیں رہو۔"

"اچھا تو جب تم ٹھیک ہو جاؤ گے تب چلے جاؤ گے۔" زرین کو خاصا دکھ ہوا۔

"میں آتا رہوں گا تم سے ملنے۔" اس نے جیسے تسلی دی۔

"نہیں جو چلے جاتے ہیں، وہ واپس نہیں آتے۔"

"او پگلی میں دنیا سے تو نہیں جا رہا۔"

"ناں جو چلے جاتے ہیں، واپس نہیں آتے۔ وہ بھول جاتے ہیں۔"

"تمہیں کیسے پتہ؟۔" مراد پہلے بستر پر بیٹھا تھا اب اٹھ کر فرش پر اس کے سامنے آ بیٹھا اور پوچھنے لگا۔

"بھول جاتے ہیں۔ مجھے پتہ ہے۔ مجھے بابا نے بتایا ہے۔"

"اچھا جب میں چلا جاؤں گا۔ تم مجھے یاد کرو گی۔"

"ہاں بہت۔" اس نے جلدی سے کہا، مگر مراد نے سر نفی میں ہلا دیا اور بولا۔

"نہ جو چلے جاتے ہیں، انہیں لوگ بھول جاتے ہیں۔ تم بھی مجھے بھول جاؤ گی اور اگر میں کچھ سال کے بعد ادھر آؤں گا تو پہچانو گی بھی نہیں۔"

مشہور مزاح نگار اور شاعر انشاء جی کے ہنستے مسکراتے سفر نامے

○ آوارہ گرد کی ڈائری، ——— 60/-
○ دُنیا گول ہے، ——— 75/-
○ چلتے ہو تو چین کو چلیے، ——— 40/-
○ ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں، ——— 60/-
○ نگری نگری پھرا مسافر، ——— /-

طنز و مزاح

○ اُردو کی آخری کتاب، ——— /-
○ خمارِ گندم ——— 60/-

شعری مجموعے

○ چاند نگر، ——— 75/-
○ اس بستی کے اک کوچے میں، ——— 75/-
○ دلِ وحشی، ——— 75/-
○ قصہ ایک کنوارے کا، ——— 40/-
○ بلو کا بستہ، ——— 30/-

خطوط

○ خط انشاء جی کے ——— /-

لاہور اکیڈمی ۲۰۵، سرکلر روڈ لاہور
کراچی میں مکتبہ عمران ڈائجسٹ، اردو بازار کراچی نمبر۱

"نہیں چچا میں تمہیں ضرور پہچان لوں گی۔"
"مگر تم نہ جاؤ تو کتنا اچھا ہو' ہے نا'۔"
تقدیر کیا کھیل کھیلنے والی ہے اس کا اندازہ نہ تو معصوم زرین کو تھا اور نہ ہی مراد کو' وہ تو اس روز بھی روزانہ کی طرح چشمے پر گئے تھے اور دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر خوب کھیل کھیلتے تھے مراد نے بچوں کو ان تین کہانیوں میں سے ایک کہانی بھی سنائی تھی جو اسے یاد تھی اور بچوں نے اسی ذوق و شوق سے وہ کہانی سنی تھی جیسے پہلی بار سن رہے ہوں اس وقت چشمے کے آس پاس اگی سبز گھاس سورج کی روشنی سے چمک رہی تھی اور پانی میں تو جیسے کسی نے ستارے پھینک دیے اور ہلکی سی حدت پا کر بچوں کے گال گلابی ہو رہے تھے۔

تب نیچے وادی سے ایک لڑکا بھاگتا ہوا آیا تھا' وہ دور سے ہی زرین گل کو آوازیں دے رہا تھا اور جب یہ آواز ان سب نے سنی تو اپنی باتیں چھوڑ کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ وہ منتظر تھے کہ قریب آکر وہ کیا کہتا ہے' آخر وہ ان کے پاس پہنچ ہی گیا۔ اور پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بولا۔

"زرین گل! تمہارا بابا مر گیا ہے۔" وہ جیسے کچھ سمجھی نہیں مراد کی جانب مڑی اور اسے دیکھا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم' بھائی تو کام پر گیا ہے۔" مراد نے چیخ کر کہا۔

"ہاں وہ کام پر گیا تھا اس پر کوئی بھاری مشین گر پڑی یا شاید وہ کسی مشین کی زد میں آگیا۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں وہ مر گیا ہے اس کے ساتھ کام کرنے والے مزدور اس کی لاش لے آئے ہیں تم سب جلدی سے نیچے آجاؤ۔" اب زرین گل کے معصوم ذہن نے بھی مفہوم پالیا تھا اور وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی تھی۔ مراد نے جھک کر اسے اٹھایا اور تیزی سے آبادی کی طرف بڑھنے لگا۔ پیچھے سے آنے والا بچے آپس میں اس موضوع پر باتیں کرتے چلے آرہے تھے' راستے میں جو بھی ملا اس نے بھی یہی بات کی اک شور سا مچ گیا تھا مگر مراد کے اندر جیسے بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اور کچھ ایسا ہی حال زرین کا بھی تھا اور وہ خوفزدہ نگاہوں سے سب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کتنی بڑی دنیا تھی کتنے لوگ تھے مگر زرین تنہا تھی اب اس کا تو اس اتنی بڑی آبادی میں کوئی بھی نہیں تھا۔

اس کا پیار لٹانے والا بابا تو بہت دور جا چکا تھا' وہ سب کی جانب دیکھتی اور پھر سر جھکا لیتی۔ کالے خان کی آخری رسومات کی ادائیگی کے بعد زرین کو ان کے پڑوس میں رہنے والا گلاب خان اپنے گھر لے گیا اور مراد نے واپسی کا ارادہ باندھ لیا۔

"چچا تم بھی چھوڑ کے جا رہے ہو" زرین کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے' اس کے لہجے میں گلہ نہیں التجا تھی۔ "اب میرے زخم اچھے ہو گئے ہیں۔ مجھے کام پر واپس تو جانا ہے ناں۔" مراد کا اپنا دل بھی بجھا ہوا تھا۔

"میں اکیلی رہ گئی ہوں چچا۔"

"نہیں زرین میں جو ہوں میں آیا کروں گا تم سے ملنے۔" اس نے دو انگلیوں کی مدد سے گڑیا سی لڑکی کا چہرہ اونچا کیا اور اس کی آنسو بھری آنکھوں میں جھانک کر وعدہ کیا۔

"جلدی آنا میں بہت انتظار کروں گی۔"

"ہاں ہاں زرین؟ میں بہت جلد آؤں گا۔"

"دیکھو چچا بھول تو نہیں جاؤ گے۔" وہ اب چہرے پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

"زرین' یوں تو نہ رو دیکھو پھر میں جا نہیں پاؤں گا میں نے وعدہ کیا ہے نا جلد آؤں گا تمہارے لیے کھلونے اور اچھے اچھے کپڑے لے کر۔"

"نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ بس تم آجانا" وہ پیاروں کے یوں ایک دم سے کھو جانے پر ڈر گئی تھی۔ مراد اسے تسلی دے کر اور ایک بار پھر وعدہ کر کے سڑک پر آگیا ذرا دیر بعد بس آکر رکی اور وہ اس میں سوار ہو کر وادی سے دور ہوتا چلا گیا۔

وہ تیز لڑکا تھا زمانے کی ٹھوکروں نے اسے بہت کچھ وقت سے پہلے سمجھا دیا تھا اسے دوبارہ سے کام حاصل کرنے میں مشکل نہیں پڑی اور ان سات دنوں میں جو اس نے کام کرتے ہوئے گزارے وہ زرین کے بارے میں سوچتا رہا وہ یاد تو کرتی ہو گی میرے لیے اداس ہو گی وہ کتنی اکیلی رہ گئی ہے میری بھی یہی عمر تھی جب بھری

دنیا میں میرا کوئی نہ رہا تھا مگر میں تو لڑکا تھا وہ بہت نازک
ی بچی ہے' اس کا دل چاہتا وہ ابھی زرین کے پاس پہنچ
جائے مگر یہ ممکن نہیں تھا اسے کام کرنا تھا اور چھٹی
کے روز ہی وہاں جانا تھا۔

جب بس صبح اس چھوٹی سی آبادی کے قریب رکی
اور کھلونوں اور کپڑوں کے بنڈل سنبھال کر مراد نیچے
اترا تو زرین اسے سڑک کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھی
ہوئی دکھائی دی۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ اپنے باپ کے
انتظار میں بیٹھا کرتی تھی بس رکتے ہی وہ اس کی جانب
دیکھنے لگی تھی اور جونہی مراد باہر آیا چچا کہہ کر اس کی
جانب دوڑی اور اس سے لپٹ گئی۔

"اتنے دن لگا دیے میں روز یہاں بیٹھ کر انتظار کرتی
تھی۔" وہ خوش تھی بہت خوش اور ساتھ ساتھ شکوہ
بھی کر رہی تھی۔ مراد نے جواب نہیں دیا وہ اس کے
چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا چند دنوں میں کتنی کمزور
ہو گئی تھی وہ اور اس کے کپڑے کتنے میلے تھے۔

"زرین؟ تم ٹھیک تو رہی ہو ناں' اتنی کمزور کیوں
ہو رہی ہو اور تمہارے کپڑے اتنے میلے کیوں ہیں۔"

"چچا میرے پاس اب بس یہی کپڑے ہیں' میرے
سارے جوڑے تو پلوشے نے لے لیے۔" اس نے
پڑوسی کی بیٹی کا نام لیا۔

"مگر کیوں....؟" مراد اس کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے
خود بھی نیچے پتھر پر بیٹھ گیا۔

"میں اکیلی جو ہوں۔" زرین نے شاید اس
بدصورتی کو قبول کر لیا تھا جبھی اتنے آرام سے یہ تلخ
حقیقت بیان کر گئی تھی۔

"تم اکیلی نہیں ہو میں جو ہوں تمہارے ساتھ۔"

"اتنے دن بعد آتے ہو' میں سارا دن انتظار کرتی
رہتی تھی اور شام کو تھک کر رونے لگتی تھی۔"

"آؤ چلو میرے ساتھ" وہ کچھ فیصلہ کر کے اٹھ کھڑا
ہوا۔

"کہاں چچا!" زرین پوچھنے لگی۔

"ہم یہاں سے دور چلے جائیں گے بس میں اور تم
وہاں ایک ساتھ رہیں گے اور کوئی نہیں ہو گا اس گھر
میں۔"

اس نے زرین کا ہاتھ پکڑا اور بڑی سڑک کے
کنارے تیز تیز چلنے لگا۔

"چچا! آہستہ چلو ناں۔" اس کی انگلی پکڑے ساتھ
دوڑتی وہ احتجاج کرنے لگی تب اس نے بھی رفتار کچھ
کم کر دی اور بولا۔

"ہمیں یہاں سے جلدی نکل جانا چاہیے اگر
تمہاری بستی کا کوئی آدمی مل گیا تو پھر جانا مشکل
ہو جائے گا وہ تمہیں یہیں روک لیں گے۔"

"نہیں' میں یہاں نہیں رہوں گی۔ میں تمہارے
ساتھ جاؤں گی۔"

"پھر تیز چلو اور فکر نہ کرو' جہاں تھک جاؤ گی میں
تمہیں اٹھا لوں گا۔"

"ہمیں کتنی دور جانا ہے۔"

"بس ساتھ کی بستی تک وہاں پر ایک بس آتی ہے
جو ہمیں شہر تک لے جائے گی۔"

......*

وہ سارا راستہ بہت جوش میں رہی اور اس کے
ساتھ ساتھ تقریباً" دوڑتی رہی مراد نے کئی بار پوچھا۔

"تھک تو نہیں گئیں' میں تمہیں اٹھا لوں۔" مگر ہر
بار اس نے نفی میں سر ہلایا اور ساتھ ساتھ رہی ہاں
جب وہ بس میں سوار ہوئے تو تھکن سے اس کا برا حال
تھا گلابی گال سرخ ہو رہے تھے اور بال گیلے ہونے کی
وجہ سے پیشانی پر چپک گئے تھے وہ تیز تیز سانس لے
رہی تھی اور اس کی نیلی چمکدار آنکھیں بتا رہی تھیں
کہ وہ بہت تھک چکی ہے' بس روزانہ ہوئی مراد نے
شیشہ ہٹا کر کھڑکی کھول دی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں
نے زرین کے گالوں کو چوما اور اسے نیند آنے لگی۔

کتنی دیر وہ مراد کے بازو پر سر رکھے سوئی رہی اگر
مراد جگا نہ دیتا تو جانے کب تک سوتی۔ اس کے جگانے
پر آنکھ کھلی پہلے تو وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکی کہ یہ سب
کیا ہے وہ اس وقت کہاں آ گئی ہے۔

"اترو زرین ہمیں بس بدلنی ہے۔" مراد نے اتنا
کہہ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور نیچے اتر آیا۔

اس وقت دوپہر ہو رہی تھی۔ اور یہاں خاصا رش
تھا بھانت بھانت کی آوازیں' گاڑیوں کا دھواں اور شور

زرین نے نہ تو پہلے کبھی اتنے لوگ دیکھے تھے اور نا ہی اس قدر شور سے واسطہ پڑا تھا وہ بہت گھبرا گئی تھی اور اس نے مضبوطی سے مراد کا بازو پکڑ لیا تھا۔

وہ اسے ایک تندور پر لے آیا اور روٹی سالن کے لیے بول دیا۔

"ہم کہاں آ گئے ہیں۔" زرین کو یہ جگہ بالکل پسند نہیں آئی تھی وہ منہ بنا کر کہہ رہی تھی۔

"اوبلی گھبراتی کیوں ہو' ابھی ہماری بس آجائے گی ہم یہاں سے چلیں گے۔ تم روٹی کھالو' بھوک تو لگی ہوئی ہے نا۔" اور اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر بس میں سوار تھے اور منزل کے بارے میں اس دبلی پتلی لڑکی کو کیا معلوم تھا وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جب کوئی منظر بہت اچھا لگتا تو جھٹ مراد کا بازو ہلا کر اسے بھی متوجہ کرتی اور انگلی سے اشارہ کر کے بتاتی۔

مراد کچھ دیر بعد سو گیا اور پھر زرین کو بھی نیند آگئی کہ سفر تو بہت لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اب تھکنے لگی تھی۔ اس وقت سورج زمین پر الوداعی نظر ڈال رہا تھا۔ شہر کی بتیاں جلنے لگی تھیں اور مراد ایک بار پھر اسے جگا رہا تھا۔

"اٹھو زرین گل اٹھو ہمارا شہر آگیا ہے۔ اب ہمیں بس چھوٹنی ہے۔" وہ آنکھیں ملتی ہوئی۔ اٹھ کھڑی ہوئی مراد نے اسے حواس بحال کرنے کی بھی مہلت نہیں دی' یونہی بازو سے پکڑ کر نیچے لے آیا۔

"تم بہت سوئیں۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار سے کہہ رہا تھا۔

"یہ کونسی جگہ ہے چچا' تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟" پوری طرح بیدار ہوتے ہی زرین گل نے چونک کر یہ سوال کیا تھا کہ یہاں پر نظر آنے والے چہرے بہت اجنبی سے تھے ان کے رنگ گندمی اور کچھ کے کالے تھے ان کے بال اور آنکھیں بھی کالی تھیں اور ان کے لباس بھی کچھ اور طرح کے تھے اور زبان زرین کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

"یہ میرا شہر ہے؟۔" مراد نے بتایا تب اس نے سوچا ہاں ان سب کے بال بھی کالے ہیں اور آنکھیں بھی مگر مراد بہت خوبرو لڑکا تھا جب کہ ان مزدور نما لوگوں میں ایسا ایک بھی نہیں تھا۔

وہ سب لوگ اپنی باتوں اور کاموں میں مگن ادھر ادھر جا رہے تھے ان میں سے کسی کی توجہ بھی ان دونوں کی جانب نہیں تھی مگر پھر بھی زرین کو ڈر لگ رہا تھا۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی اور یہ سب اسے بہت برا لگ رہا تھا۔

"ڈرو نہیں' میں جو ہوں تمہارے ساتھ۔" اس کی پریشانی بھانپ کر مراد نے تسلی دی اور جانے اسے کیا ہوا کہ رونے لگی۔

"ارے بلی کیا ہوا تمہیں۔" وہ جھک کر پیار سے پوچھنے لگا۔

"یہ جگہ کیسی ہے' یہاں کتنا گند ہے اور کیسا شور ہے یہ لوگ کیا بول رہے ہیں مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔"

"یہ کسی کو کچھ نہیں کہتے یہ بہت اچھے لوگ ہیں تم ڈرو مت ہم ابھی روٹی کھائیں گے پھر میں تمہیں آپا کے گھر چھوڑوں گا۔ تم رات کو وہیں رہنا بہت جلد میں تمہارے لیے ایک اچھا سا گھر لے لوں گا۔" آپا کا گھر کچی آبادی میں تھا اونچے نیچے کچے دھول اڑاتے راستے جہاں اس سبزے کا نام و نشان تک نہ تھا جو زرین کے گاؤں میں چپے چپے سے پھوٹتا تھا نہ تو یہاں بلند و بالا پہاڑ تھے اور نہ ہی گنگناتے چشمے' وہ وحشت زدہ سی مراد کی تسلیوں کے سہارے چلی جا رہی تھی۔

دروازہ دو تین بار دستک دینے کے بعد ہی کھلا۔

"اوئے مراد تو' اس وقت' کہاں سے آرہا ہے'۔" سامنے کالے رنگ کی ایک عورت کھڑی تھی اور اس کے دانت اندھیرے میں بھی دکھائی دے کر اسے اور بھی خوفناک بنا رہے تھے۔

"آ... اندر آ۔" اس نے مراد کو راستہ دیا پھر زرین کو دیکھ کر بولی۔

"ہا اتنی سوہنی کڑی کون ہے یہ"

"میری بھتیجی ہے۔" مراد نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"تیری بھتیجی۔" اس نے گالی دی اور بولی۔

"بھائی تو ہے نہیں بھتیجی کہاں سے پیدا ہوئی۔"
"میرا بڑا بھائی اوپر پہاڑوں پر رہتا تھا اس نے وہیں شادی کی تھی۔" مراد کے چہرے پر چھائی سنجیدگی عورت کو یقین تو دلا گئی مگر وہ حیران اب بھی تھی، وہ انہیں کمرے میں لے آئی۔ اندر بلب جل رہا تھا جونہی اس روشنی میں اس نے مراد کے چہرے کی طرف دیکھا تو بولی۔
"اوئے تو تو بہت بڑا ہو گیا ہے، ایکدم سے جوان اور کیا ٹور ہے، بلے بلے۔"
"آپا تم اسے ایک رات کے لئے یہاں رکھو، صبح لے جاؤں گا۔"
"مرادے میں تیری بات نہیں ٹال سکتی مجھے اچھی طرح یاد ہے تیرا احسان ہے مجھ پر، پر دیکھ ایک رات بعد لے جانا تو جانتا ہے میرے لئے اسے رکھنا کچھ آسان نہیں یہاں میلہ لگا رہتا ہے۔"
"مجھے پتا ہے۔" مراد جب سے آیا تھا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کی چھاپ تھی جب کہ وہ عورت بات بے بات ہنستی تھی۔
"اچھا بلی میں صبح آؤں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"چچا میں بھی ساتھ چلوں گی" زرین نے جیسے منت کی۔
"آ میری بیٹی یہ چچا ہے تو میں بھی تو کچھ لگی کہ نہیں۔" عورت نے زرین کا بازو پکڑ لیا۔
"اتنے زور سے مت پکڑو، دیکھتیں نہیں ذرا سی بچی ہے۔" مراد سے برداشت نہیں ہو سکا اور کہہ بیٹھا پھر زرین سے بولا۔
"میرا وعدہ ہے میں صبح ہوتے ہی آجاؤں گا۔" وہ اتنا کہہ کر چلا گیا اور زرین دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر فرش پر بیٹھ گئی۔
اس رات مراد کو بہت سے کام تھے کہ اسے اب ایک گھر چاہیے تھا جب اکیلا تھا تو کوئی فکر نہ تھی مگر اب اس کے ساتھ ایک بچی تھی جس کے باپ نے مراد سے بہت پیار کیا تھا اور اسے بھائی کہا تھا، اب وہ بھی اس محبت کی لاج نبھانا چاہتا تھا۔ ابھی کم عمر تھا مگر آٹھ سال کی عمر میں دنیا کے اس میلے میں اپنا حصہ وصول کرنے آپہنچا تھا اور اب اتنے سالوں کے بعد اس میں وہ پختگی اور ہوشیاری تھی جو عام طور پر پچیس برس کے بعد ہی مل پاتی ہے۔
اسے باپ نے نے کما کر نہیں کھلایا تھا بیماری میں ماں نے ساری ساری رات جاگ کر خیال نہیں رکھا تھا اس کے دن محنت مشقت کرتے اور پختہ عمر کے لوگوں کے تجربات سنتے اور راتیں کبھی آپا اور کبھی استاد کے کرتے ڈھتے کمروں تلے بسر ہوئی تھیں۔
وہ سب سے پہلے اپنے پرانے دوست عاشق یار سے ملا چالیس سالہ عاشق یار اسے دیکھ کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔
"تم کہاں رہے مراد بہت عرصے کے بعد دکھائی دیئے ہو۔" مراد نے اس بات کو فالتو جان کر جواب نہیں دیا اور بولا
"مجھے تم سے کام ہے استاد۔"
"ہاں، ہاں کہو۔" وہ فوراً تیار نظر آنے لگا۔
"تمہیں ابھی میرے ساتھ میرے ماموں کی طرف چلنا ہو گا میں اس سے ماں کی جائداد کا حصہ لینا چاہتا ہوں اور اس کے علاوہ میری ماں کا کچھ زیور بھی مامی نے دبا رکھا ہے۔"
"ٹھیک ہے چلتے ہیں مگر پہلے کچھ چاء پانی تو ہو جائے"
"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ تم دو تین اور بندے بھی ساتھ لے لو، میں فیصلہ کن بات چاہتا ہوں۔"

......*

کتنی گرمی پڑتی تھی، چچا کے اس خطے میں اور یہاں پر دور دور تک سبزے کا نام و نشان نہیں اور پہاڑ تو دکھائی نہیں دیتے مگر زرین گل کو پھر بھی پہاڑ اور سبزہ نہیں بھولتے اپنا وطن اپنی بستی اسے آج بھی یاد تھا اسے بستی چھوڑے اب پورے سات برس ہو گئے تھے جب وہ وہاں سے آئی تھی تو دبلی پتلی سی بچی تھی مگر اب جوانی آنے کے بعد جسم بھرنے لگا تھا اب تو اسے اپنی نیلی آنکھیں، صاف رنگت اور سنہری بال بھی اچھے لگتے تھے یہاں ساری لڑکیوں کے رنگ کیسے میلے

سے ہیں اور وہ سب زرین گل کو رشک و حسد کے جذبات کے ساتھ دیکھتی ہیں۔

اور ماسی جینو کہتی ہے "تو اتنی سوہنی ہے زرو کہ لگتا ہے ہاتھ لگاتے ہی میلی ہو جائے گی۔"

"میرے وطن میں سب گورے ہوتے ہیں۔"

"تمہارا وطن تو یہی ہے کہ آخر یہ تمہارے باپ کا وطن ہے ہاں تمہاری ماں پہاڑوں کی تھی نا۔"

پہلی بار مراد کے کہنے پر اس نے بستی کے لوگوں کو جو کچھ کہا تھا انہیں وہی یاد تھا۔

"ہاں میری ماں اوپر پہاڑی علاقے کی رہنے والی تھی۔" وہ جھٹلا نہیں سکتی تھی یہ بات کہہ نہیں سکتی تھی کہ بابا بھی وہیں کا تھا ماسی جینو ایک غریب سی عورت تھی بھری دنیا میں اس کا کوئی نہ تھا وہ ٹافیوں کو لفافے میں ڈال کر پیک کرنے کا کام اس بچی آبادی کی بہت سی دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر کرتی تھی فارغ ہوتی تو زرو کے پاس چلی آتی مراد تو دن بھر گھر سے باہر رہتا تھا زرو اکیلی ہوتی تھی اور ماسی جینو کو احساس تھا جوان ہوتی بچی کے پاس ایک عورت کا ہونا ضروری ہے اب اس کے لئے ایک چچا ہی کافی نہیں اسے بہت سی باتوں کے لئے عورت کی ضرورت ہے۔

ماسی جینو نے کئی بار مراد کو کہا "تم جیسے کڑیل جوان کو اب شادی کر لینی چاہیے زرو گھر میں اکیلی ہوتی ہے' اسے بھی ساتھ مل جائے گا" یہ پتہ نہیں کیا مصروفیات تھیں اس کی جب بھی کہا جواب یہی ملا ابھی میرے پاس نہ وقت ہے نہ پیسہ۔

اس روز وہ اپنی سہیلی پروین کے گھر سے واپس آرہی تھی شام گہری ہو رہی تھی اور اس کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے کہ فکر تھی کہیں مراد کام سے واپس آگیا ہو اور اب بند دروازے کے پاس بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہو وہ گھر کے دروازے سے ابھی فاصلے پر ہی تھی کہ سامنے سے مراد گلی میں داخل ہوا اس نے دور ہی سے چچا کہا اور پھر ہاتھ ہلانے کے بعد دوڑتی ہوئی اپنے گھر کے دروازے تک آئی اور جلدی جلدی تالا کھولنے لگی۔ جب تک مراد یہاں پہنچتا وہ گھر میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ آیا تو دیکھتے ہی بولی۔

"پتہ ہے آج میں نے پالک پکائی ہے۔ تمہیں پسند ہے نا چچا؟۔" مگر مراد نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا بغور اس کی جانب دیکھا اور جانے کیوں حیران ہوا پھر بولا۔

"شام اتنی گہری ہو رہی ہے۔ تم اس وقت کہاں سے آرہی تھیں۔"

"میں پنی کے گھر گئی تھی نا۔" زرو نے اس کی سنجیدگی کو محسوس ہی نہیں کیا اور اپنے مخصوص الھڑپن سے بولی۔ مراد نے پھر کچھ نہیں کہا۔ ہینڈ پمپ چلا کر منہ ہاتھ دھونے لگا زرو روٹی ڈالنے چولہے کے پاس آبیٹھی اور جب وہ روٹی چنگیر میں رکھ کر اور ساتھ میں سالن کی کٹوری لے کر اندر کمرے میں آئی تو مراد سر کے نیچے دایاں بازو رکھے چت لیٹا تھا اور جانے کس سوچ میں گم تھا۔

"چچا روٹی کھالو۔" وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ مراد نے پھر سے بغور اسے دیکھا اور اٹھ بیٹھا زرو بھی چارپائی پر ٹک گئی اور بولی۔

"میں اس وقت روٹی کھاتی تو نہیں' پر آج دل چاہ رہا تھا اپنے لیے بھی ڈال لی ہے اکٹھے کھائیں گے۔"

"زرو تم اتنی بڑی ہو گئی ہو اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔" مراد کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔ زرین نے نوالہ توڑتے ہاتھ کو روک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا کر نوالہ اٹھالیا۔

"ہاں زرو مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ تمہیں بڑے بھی تو ہونا ہے۔"

"تم بھی تو بڑے ہو گئے ہو چچا پر میں نے تو حیرت سے ایسے نہیں دیکھا اور نہ ہی ایسے بولا۔" وہ بار بار اس کے یہ بات کہنے پر کچھ بگڑ کر بولی تھی۔ مراد کے چہرے پر اب مسکراہٹ دوڑ گئی وہ کہنے لگا۔

"تم اب شام سے پہلے پہلے گھر آجایا کرو اور یوں بے فکری سے ہر ایک کے گھر میں مت گھس جایا کرو۔"

"کیوں.....؟۔" زرو کا یہ سوال مراد کو لاجواب کر گیا اس نے سوچ لیا وہ صبح ماسی جینو سے بات کرے گا کہ وہ زرو کو سمجھائے۔

"چچا.....!" کھانے کے دوران زرین نے اسے پکارا۔

"ہوں۔" وہ جھکے سر کو اٹھائے بغیر بولا۔

"پتہ ہے بنی نے اتنا اچھا سوٹ لیا ہے گلابی رنگ کا میں بھی لوں گی۔"

"ہاں ہاں لے دوں گا"

"میں خود تمہارے ساتھ جا کر لوں گی دیکھو نا اتنا عرصہ ہو گیا میں کبھی تمہارے ساتھ بازار ہی نہیں گئی۔"

"اچھا چلی چلنا۔"

"کب.....!" وہ پروگرام پکا کرنا چاہتی تھی۔

"کل شام میں جلدی آجاؤں گا پھر چلیں گے۔"

زریں کے باتیں کرنے کا انداز اب بھی وہی تھا شاید اس نے خود بھی اپنی جوانی کو محسوس نہیں کیا تھا اور اس کا یہ بھولپن مراد کے اندر سکون اتار رہا تھا۔

صبح پھر اسے کام پر جانے کی جلدی تھی' اور زرو ہمیشہ کی سست کتنی بار کہنے پر ہی ناشتا تیار کرنے کو اٹھتی تھی۔

"دیکھو چاچا ایسا نہ ہو' تم بھول جاؤ اور میں انتظار کرتی رہوں۔" چائے اور روٹی اس کے سامنے رکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"کیا مطلب؟۔" مراد نے بھنویں اچکا کر اس کی جانب نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھا۔

"ہوں' بھول بھی گئے۔ رات تو وعدہ کیا تھا مجھے بازار لے جا کر سوٹ دلاؤ گے اب تو مجھے پکا پتا لگ گیا ہے۔ نہیں آؤ گے شام کو۔" وہ منہ پھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بلی او بلی ناراض کیوں ہوتی ہے۔ آجاؤں گا ناں۔" وہ اس کے یوں منہ پھلانے پر ہنس رہا تھا۔

"وعدہ کرو۔" زرین نے ناراض نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں پکا وعدہ' میں جلدی آجاؤں گا تم انتظار کرنا پھر ہم دونوں بازار جائیں گے۔ تم اپنی پسند کا سوٹ خریدنا اور چاٹ بھی کھانا۔"

"ہیں سچ.....۔" زرین کی نیلی آنکھیں مارے خوشی کے چمکنے لگیں۔

"بالکل سچ۔" مراد نے جانے کیوں نظر چرالی۔

"صرف چاٹ نہیں مٹھائی بھی لوں گی۔" زرین نے قریب آکر لاڈ سے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیئے۔ مراد نے گہری سانس کھینچ کر اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے اور بولا۔

"تم اب بھی چھوٹی سی زرو ہو جسے میں دور پہاڑوں پر سے لے کر آیا تھا۔ تم اب بھی ویسی ہی معصوم بچی ہو۔"

جانے کیوں وہ اس کی جوانی کو قبول کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا رات اس کا ارادہ تھا کہ وہ ماسی جینو سے بات کرے گا مگر اب زرو کی باتوں میں الجھ کر وہ بھول گیا اور روٹی کھاتے ہی کام پر جانے کے لیے نکل گیا۔ زرین نے اس کے جانے کے بعد گھر کی صفائی کی اور پھر آس پڑوس میں چلی آئی۔

اس غریب بستی کی اکثر لڑکیاں کوئی نہ کوئی ہنر جانتی تھیں اور گھر کے مردوں سے زیادہ کماتی تھیں' وہ پروین کے گھر چلی آئی یہاں اس وقت دو تین لڑکیاں موجود تھیں یہ سب رنگین پراندے بنانے کا کام کرتی تھیں۔ ان پراندوں میں بڑے بڑے شیشے موتی اور ننھے گھنگرو لگائے جاتے تھے اور سنا تھا بڑے مہنگے ملتے ہیں یہ شہر میں۔

لڑکیاں کام میں مصروف تھیں زریں دور ہی سے آوازیں دیتی قریب چلی آئی اور بولی۔

"پتہ ہے آج شام میں چاچا کے ساتھ کہاں جا رہی ہوں۔"

"ہائے نی کہیں سینما دیکھنے نہ چل پڑنا ایسی جگہوں پر چاچوں ماموں کے ساتھ نہیں جایا کرتے۔" یہ بات کہہ کر قہقہہ لگا کر ہنسنے والی بھابی کنیز کی بہن شادو تھی یہ لڑکی چند روز پہلے کسی دوسرے شہر سے اپنی بہن کے پاس چند روز کے لئے آئی تھی عمر میں زرین' پینو وغیرہ سے بڑی تھی اور تجربے بھی بہت تھے اس کی اکثر باتیں تو ان لڑکیوں کی سمجھ میں آئی ہی نہیں تھیں ہاں اگر کنیز آس پاس ہوتی تو اس کی باتوں پر خوب لعن طعن کرتی تھی پر شادو پر اثر نہیں ہوتا تھا ایسی ہی باتیں کرتی جاتی اور ہنستی جاتی۔

لڑکیوں کو وہ اچھی لگتی تھی اس کی باتیں سن کر کبھی تو اندر ہی اندر کچھ ہونے لگتا اور کبھی وہ سب ہنس پڑتیں۔

"میں چاچا کے ساتھ بازار جارہی ہوں۔" زرو نے اس کی ہنسی رکنے کا انتظار کیا اور پھر بولی۔

"ہائے نی تیرا چاچا ویاہ (بیاہ) کیوں نہیں کرلیتا کیوں سارے محلے کی نیند حرام کی ہوئی ہے اس نے۔" شادو آنکھ دبا کر اپنے مخصوص انداز میں بولی تھی جو سمجھ گئیں وہ ہنسنے لگیں مگر زرین نہیں سمجھی اور برا مان کر بولی۔

"بھلا میرے چاچا نے کسی کو کیا کہا ہے وہ تو اتنا اچھا ہے۔"

"یہی تو دکھ ہے۔ کسی کو کچھ کہتا ہی نہیں۔" شادو نے اتنا کہا اور دھم سے قریب بیٹھی رقیہ پر گر پڑی۔

"تو بڑی کمینی ہے۔" رقیہ نے اسے پرے دھکیلا۔

"اری او زرو اپنے چچا سے میرا سلام کہنا۔" شادو پر کوئی اثر نہیں تھا۔ زرین کو مراد کے بارے میں اس کی ایسی باتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں، وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سن تیرا چچا اب تجھے بیاہ کیوں نہیں دیتا۔ اتنی جوان تو ہو گئی ہے تو۔"

"تو بھی تو جوان ہے کرالے اپنی شادی۔" زرین تڑخ کر بولی۔

"اچھا کرالوں؟ مان جائے گا تیرا چچا۔" اور اس بات پر زبردست قہقہہ پڑا، زرین کا رنگ مارے غصے کے لال ہو گیا توبہ ایسی بے شرم لڑکی جی چاہا بڑھ کر ایک ہاتھ جمادے اس کے ہنستے چہرے پر، وہ تیزی سے واپسی کے لئے مڑی مگر شادو نے جانے نہیں دیا۔ بڑھ کر جیسے دبوچ لیا یوں کہ زرو کو دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"تو کتنی پیاری ہے۔ کیسی سوہنی آ ادھر آ کر میرے پاس بیٹھ۔" شادو میں بڑا زور تھا زرین مزاحمت نہیں کر سکی اس نے زبردستی اپنے پاس بٹھالیا۔ پھر جتنی دیر وہ وہاں بیٹھی شادو اسے مناتی رہی میٹھی میٹھی باتیں کرتی رہی مگر جب وہ اٹھ کر جانے لگی تو بولی۔

"خوامخواہ ناراض ہو گئی۔ اری وہ تیرا تو چاچا ہے نا اگر چاچا نہ ہوتا تو دیکھتی تیری بھی حالت۔" زرو کے قدم رک سے گئے اس بات پر، وہ کسی سے کچھ کہے بغیر گھر آ گئی۔

شام کو مراد وعدے کے مطابق جلدی گھر آ گیا زرین بھی تیار تھی۔ اس نے روٹی کھائی پھر گھر کو تالا ڈال کر دونوں گلی میں آ گئے جب بھابی کنیز کے گھر کے آگے سے گزرے تو شادو دروازے پر پڑا ٹاٹ کا میلا سا پردہ اٹھائے باہر دیکھ رہی تھی، یہ دونوں قریب آئے تو ہنس پڑی۔ آواز پر مراد نے نگاہ اٹھا کر دروازے کی جانب دیکھا تب شادو نے پردہ کچھ اور پیچھے ہٹا دیا اب وہ پوری کی پوری نمایاں تھی اور ہنس رہی تھی۔ مراد کا تھیں، آگے بڑھ گیا جب کہ زرین نے قہر برساتی نظر شادو پر ڈالی۔

"کون ہے یہ لڑکی؟" ذرا آگے آ کر مراد نے پوچھا۔ جواب میں زرین نے تفصیل سے بتا دیا تو بولا "تم اس کے پاس مت بیٹھا کرو"

"ہاں مجھے بھی یہ اچھی نہیں لگتی ویسے اپنی بہن سے ملنے آئی ہے چلی جائے گی تھوڑے دنوں کے بعد۔"

"چلو یہ بھی اچھی بات ہے، اس طرح کی لڑکیاں دوسری لڑکیوں کو بھی خراب کرتی ہیں۔" مراد نے بڑی سنجیدگی سے اسے سمجھایا تھا، اس سے دور رہنے کی نصیحت کی مگر یہ جوانی کی آمد کے دن بڑے برے ہوتے ہیں اس کی باتوں نے زرین کے دل میں یہ بات ڈال دی وہ اسے خراب کس طرح کر سکتی ہے، وہ بری لڑکی تھی اس بات کو زرین بھی سمجھتی تھی مگر اب سوچ رہی تھی برائی اور اچھائی یہ کیا ہے، اور یہ شادو کچھ عجیب سی باتیں کرتی ہے مگر یہ باتیں ہمیں اچھی بھی تو لگتی ہیں۔ مراد نے دور رہنے کو کہا تو دل میں یہ بات آئی شادو کی باتیں سنوں تو سہی آخر وہ خراب لڑکی کس طرح ہے اور چاچا اس سے دور رہنے کو کیوں کہہ رہا ہے۔

بازار سے اس نے اپنی پسند کا سوٹ خریدا۔ چاٹ کھائی اور اب مٹھائی کے لئے کہہ رہی تھی۔

"ہاں ہاں مجھے یاد ہے آؤ میرے ساتھ۔"

"چاچا!" سڑک کے اس طرف جانے والی دو پٹھان عورتوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔

"کیا ہے آؤ ناں۔" مراد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

"چاچا دو عورتیں وہ تو میری بستی کی ہیں۔" آواز میں خوشی کی چہکار تھی اور آنکھیں چمک رہی تھیں وطن کی محبت اپنے لوگوں کا پیار روم روم سے پکار رہا تھا۔

"ہاں یہ پہاڑی عورتیں ہیں۔ کپڑا بیچنے کے لئے آتی ہیں ادھر" مراد کا لہجہ عام سا تھا۔

"میں ان سے ملوں گی چاچا میں ان سے بات کروں گی۔"

"پاگل ہو گئی ہو، نہ وہ تمہیں جانتی ہیں اور نہ تم انہیں جانتی ہو پھر کیا بات کرو گی ان سے۔" مراد نے ہلکا سا ڈانٹ کر کہا۔

"وہ میری ہیں، میرے وطن سے آئی ہیں، میں ان سے اپنی باتیں کروں گی ان سے سب کے بارے میں پوچھوں گی۔"

"پاگل لڑکی! پہاڑی علاقہ بھی صرف تمہاری بستی تک ہی تو نہیں تھا پتہ نہیں یہ کس شہر کی کس علاقے کی ہیں۔ آؤ چلیں۔" اتنی دیر میں وہ عورتیں بھیڑ میں غائب ہو گئیں زرین کو واپس آنا پڑا مگر وہ بہت اداس تھی اسے یہ شہر، یہاں کے لوگ، یہ مکان، سب بہت گندے لگے تھے۔ میرا وطن کتنا خوبصورت تھا آہ وہ لوگ جو میرے اپنے تھے۔ آنسو اندر ہی اندر کرتے رہے۔

مراد تو گھر آتے ہی سو گیا۔ مگر وہ بچپن کے دھندلے نقوش واضح کرنے کی کوشش کرتی رہی اور بار بار پلکیں بھیگتی رہیں صبح چپ چپ تھی۔

"ناراض ہو مجھ سے۔" ناشتا لا کر مراد کے سامنے رکھا تو اس کی چپ اور لاتعلقی کو محسوس کر کے وہ پوچھنے لگا۔

"ہاں۔۔۔۔" مراد ہی تو تھا جس سے جھگڑتی تھی اور ضدیں بھی منواتی تھی انکار کیوں کرتی صاف کہہ دیا۔ "ہوں ناراض۔"

"کیوں میں نے کیا قصور کیا ہے بلی۔" وہ منانے کو فوراً تیار ہو گیا۔

"کیوں نہیں ملنے دیا مجھے ان عورتوں سے۔" نیلی آنکھیں پانیوں سے بھر آئیں۔

"ارے وہ بڑی چالاک عورتیں ہوتی ہیں۔ تم دو باتیں پیار سے کر لیتیں تو انہوں نے دو سوٹ تمہارے پاس بیچ کر ہی دم لینا تھا پتہ نہیں کس علاقے کی تھیں مگر فوراً" کہہ دیتیں ہاں ہم تمہاری بستی کی ہیں۔"

"نہیں تم جھوٹ بولتے ہو چاچا۔" وہ رونے لگی تو مراد سنجیدہ ہو گیا۔

"میرے لوگ، میرا وطن سب بہت پیچھے رہ گیا ہے یہاں آئے مجھے کتنا سارا وقت ہو گیا ہے مگر مجھے سب کچھ یاد آتا ہے۔"

"زرو! کیا تم یہاں خوش نہیں ہو؟ تم واپس جانا چاہتی ہو۔" وہ پوچھ رہا تھا زرین نے آنسو بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

"اگر تم بھی میرے ساتھ چلو تو پھر میں جانا چاہتی ہوں۔"

"مگر میں کس طرح جا سکتا ہوں۔" اب وہ کچھ پرسکون ہو گیا ورنہ زرین کی بات نے اسے سوچ میں مبتلا کر دیا تھا، اتنا کہہ کر ناشتا کرنے لگا زرین اٹھ کر صفائی میں لگ گئی اسے پتہ چل گیا تھا وہ اپنے وطن نہیں جا سکتی وہ چشمے وہ ہری بھری وادیاں اب صرف خواب میں ہی دیکھ سکتی ہے۔

مراد کے کام پر جانے کے بعد وہ بھی معمول کے مطابق گھر میں تالا ڈال کر گلی کے کسی گھر میں چلی آئی۔ آج بھی ملاقات شادو سے ہو گئی اسے دیکھ کر شادو مسکرائی اور آج تو زرین بھی مسکرا دی۔ شادو نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے اپنے قریب بٹھانے کو اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ وہ گر ہی پڑی۔

"ہائے کتنی پیاری ہے تو جی چاہتا ہے تجھے کھا لوں۔" وہ شادو کی بات پر ہنس پڑی، شادو کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی تھی پھر اپنے اصل انداز کی طرف لوٹ آئی اور کچھ ہی دیر بعد اس کا موضوع مراد تھا۔

"کہاں گئی تھیں کل تم مراد کے ساتھ۔" جواب میں زرین نے بتادیا۔

"ہائے مجھے بھی ساتھ لے چلتیں۔" وہ دونوں اب باقی لڑکیوں سے ذرا الگ ہو کر بیٹھی تھیں بلکہ شادو نے خود ہی اسے الگ کرلیا تھا۔

"تمہیں میرا چاچا بہت اچھا لگتا ہے شادو۔"

"نی، مجھے ہی کیا سب کو اچھا لگتا ہے پر یہ کہتی نہیں، میں کہہ دیتی ہوں، تیرا تو چاچا ہے نا، اگر نہ ہوتا تو پھر پوچھتی، مجھے غلط نہ سمجھ رانیے مراد شے ہی ایسی ہے۔" وہ دوپہر تک ان لڑکیوں کے اور زیادہ تر شادو کے ساتھ ہی رہی پھر گھر آگئی اسے سالن پکانا تھا روٹی تو وہ شام کو اذانوں کے وقت مراد کے آنے پر ہی ڈالتی تھی گھر آکر بھی وہ شادو کی باتوں کو دھراتی رہی۔

"تیرا تو چاچا ہے نا، اگر نہ ہوتا پھر پوچھتی مجھے غلط نہ سمجھ مراد شے ہی ایسی ہے۔"

"وہ میرا بھی چاچا تو نہیں ہے" یہ بات سوچ کر اسے کچھ عجیب سا لگا جیسے کوئی گناہ کر رہی ہو نہیں نہیں وہ میرا چاچا ہے۔ شادو تو بہت خراب ہے۔ میں اس انداز میں کیوں سوچنے لگی ہوں مگر خود کو بہت سمجھانے کے باوجود وہ ہار گئی۔ مراد گھر آیا تو آج پہلے کی سی بے تکلفی سے اس سے بات نہیں کر سکی۔ نظر چراتی رہی جب وہ ہینڈ پمپ چلا کر منہ ہاتھ دھو رہا تھا تو چپکے چپکے کمرے کی کھڑکی ذرا سی کھول کر اسے جھانک رہی تھی وہ بھول ہی گئی تھی کہ وہ اس کا چاچا ہے۔

روٹی اس کے سامنے رکھ کر آج خود بھی قریب بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں نہیں سنائیں چولہے کے پاس آکر برتن اکٹھے کرتی رہی مراد نے ایک دو بار کچھ کہا تو بھی زیادہ جواب نہیں دیا وہ اپنی کیفیت سے خود بھی خوفزدہ تھی۔ اسے گناہ کا احساس ہو رہا تھا وہ اپنے وجود کو گندہ محسوس کر رہی تھی اور ڈرتی تھی مراد جان نہ لے دل میں بار بار کہا، شادو بکواس کرتی ہے تو کرتی رہے میرا تو چاچا ہے مگر اندر سے یہی آواز اٹھتی چاچا تو تیرا بھی نہیں وہ تو تجھے اوپر پہاڑوں سے لایا تھا کتنا بڑا ہے وہ تجھ سے۔

تب اس نے پھر مراد کی جانب دیکھا۔ بھرپور کڑیل جوان محنت، مشقت نے اس کے جسم کو سختی عطا کی تھی جب کہ اس کے چہرے پر بہت نرمی تھی اس کے نقش کھڑے اور دل میں اتر جانے والے تھے اور میں خود میں اب چھوٹی سی لڑکی تو نہیں اسے ماسی جینو کی بتائی باتیں یاد تھیں اور ماسی جینو نے ہی کہا تھا کہ اب تو جوان ہو گئی ہے بے اختیار اس کا جی چاہا کہ وہ اندر کمرے میں جا کر آئینہ دیکھے مگر وہ اپنے اندر سے گھبرائی ہوئی تھی چولہے کے قریب سے اٹھ کر اندر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی جب کہ مراد کچھ ہی فاصلے پر بچھی چارپائی پر بیٹھا روٹی کھا رہا تھا۔

گھنٹے دو گھنٹے تک اس کی یہی کیفیت رہی مراد روٹی کھاتے ہی سو گیا تھا اور زرو نے اٹھ کر آئینے میں خود کو دیکھ بھی لیا تھا واقعی وہ جوان ہو گئی ہے اسے پسینے سے آگئے تھے۔ مگر پھر آہستہ آہستہ شادو کی باتوں کا اثر اترنے لگا اور وہ نارمل ہو گئی۔

اب اسے خود پر افسوس تھا وہ بے حد شرمندہ تھی اس نے سوچ لیا تھا شادو سے نہیں ملے گی کیسی ذلیل لڑکی ہے وہ، شرم تو اسے چھو کر بھی نہیں گزری، اور میں، میں بھی کتنی خراب ہوں ابھی کچھ دیر پہلے کیا ہو گیا تھا مجھے اسے خود سے نفرت محسوس ہوئی۔ صبح ہونے تک وہ پوری طرح سنبھل چکی تھی حسب معمول مراد سے باتیں کرتی رہی، اس کے جانے کے بعد میلے کپڑے دھوئے پھر گھر کی صفائی کی اور تالا ڈال کر کسی اور طرف جانے کی بجائے ماسی جینو کے پاس آگئی کہ وہ شادو سے ملنا نہیں چاہ رہی تھی ماسی جینو کا گھر ہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں شادو کے آنے کا امکان نہیں تھا۔

ماسی اپنے کام میں مصروف تھی ہر پیکٹ میں کچھ ٹافیاں ڈال کر پیکٹ بند کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی جاری تھیں، زرو باتیں بھی سنتی رہی اور کام میں اس کا ہاتھ بھی بٹاتی رہی۔

دوپہر کو جب وہ گھر آئی تو سوچ لیا تھا اب جب تک شادو یہاں ہے وہ ماسی جینو کے پاس ہی جایا کرے گی۔ اچھی باتیں کرتی ہے یہ ماسی جینو بھی۔ اس نے آکر ہانڈی بنائی۔ آج گوبھی آلو بنائے تھے گوبھی کے پھول

کچھ اچھے نہیں تھے کاٹنے میں کافی دیر لگ گئی۔
موسم صبح سے تھوڑا خراب تو تھا پر اب تو ہوا بڑی تیز تھی اور بادل گھر گھر کر آرہے تھے۔ ہانڈی بھونتے ہوئے اسے خیال آیا کہ صبح اس نے کپڑے دھو کر چھت پر ڈالے تھے اور یہ بھی کہ بارش تو آیا ہی چاہتی ہے چارپائیاں بھی صحن میں ہیں اور سبزیوں کا اچار جو ماسی جینو نے ڈال کر دیا تھا وہ بھی چھت پر رکھا ہے۔
ہانڈی لگ جانے کا خطرہ بھی تھا اور وہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتے بادلوں کو بھی دیکھ رہی تھی پھر اچانک موٹی موٹی بوندیں پڑنے لگیں اس نے ہانڈی چولہے پر چھوڑ دی اور دوڑ کر چھت پر چڑھ گئی سب سے زیادہ فکر اچار کے برتن کی تھی جلدی سے لا کر اندر رکھا' پھر دونوں چارپائیاں کھینچ کر کمرے میں لائی اور اب دھلے ہوئے کپڑے چھت پر سے اتارنے کے لئے پھر سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔
مگر آدھی سیڑھیاں طے کر کے اسے ہانڈی کا خیال آیا واپس نیچے آکر اسے چولہے پر سے اتارا اور دوڑ کر پھر سیڑھیوں کی طرف آئی۔ بارش اب بہت تیز ہو گئی تھی اس نے جلدی جلدی کپڑے اکٹھے کئے اور جب وہ تیز بوندوں کی بوچھاڑ میں نیچے آرہی تھی تو دروازہ کھلا اور مراد گھر میں داخل ہوا' سب سے پہلے اس کی نظر کپڑوں کی گٹھڑی سی اٹھا کر چھت سے نیچے آتی زرو پر ہی پڑی وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا اور کپڑے اس کے ہاتھ سے لیے۔
"پہلے اتار لیتیں اب اتنی بارش میں اوپر گئی ہو۔"
"میں ہانڈی پکا رہی تھی' ایکدم تو بارش آگئی۔"
زرو ہنس پڑی اسے احساس نہیں تھا۔ وہ دوپٹے سے بے نیاز اور گیلے کپڑوں میں مراد کے ساتھ ہے مراد گھر میں نہیں ہوتا تھا تو وہ دوپٹہ اتار کر ایک طرف ڈال دیتی اور آرام سے سارے کام نبٹاتی رہتی تھی آج وہ اچانک گھر آگیا اور اس پر یہ وہ بارش میں بھیگ چکی تھی۔ مراد نے کچھ کہنے کے لئے اس کی طرف دیکھا اور اتنی سردی میں بھی اسے پسینہ آگیا ایکدم سے گرمی لگنے لگی منہ پھیر لیا مگر کیفیت نہیں بدلی اور وہ زیادہ دیر تک منہ پھیرے رہ بھی نہیں سکا کوئی طاقت اسے زرین کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔
ایک بار پھر پلٹ کر اس لڑکی کی طرف دیکھا جو اپنے وجود سے بے نیاز اوپر سے اتار کر لائے جانے والے کپڑے دیکھ رہی تھی۔ مراد پوری طاقت صرف کر کے اٹھا اور جا کر دوسرے کمرے میں لیٹ گیا۔ زرین کام سے فارغ ہوئی تو کافی دیر ہو چکی تھی کہ دھلے ہوئے سارے کپڑے بارش میں بھیگ گئے تھے اور وہ انہیں ادھر ادھر کمرے میں ڈالتی رہی تھی تاکہ جلدی خشک ہو جائیں صبح اس نے اپنے بھی تینوں سوٹ دھوئے تھے اب وہ سب گیلے تھے اور جو کپڑے پہن رکھے تھے یہ بھی بھیگے ہوئے تھے۔
چلو کوئی بات نہیں ذرا دیر بعد خشک ہو جائیں گے اس نے بستر سے اپنا دوپٹہ اٹھایا اور چونکی' تو میں اب تک دوپٹے کے بغیر اور بھیگے کپڑوں میں تھی اور چاچا...' شرم سے اس کا برا حال ہو گیا' اس کا خیال تھا کپڑے پھیلا کر وہ مراد سے چائے کے لیے پوچھے گی مگر اب ہمت نہیں تھی وہ چولہے کے پاس آبیٹھی سیڑھیوں کے نیچے بنا مٹی کا یہ چولہا اس وقت اسے بڑی طمانیت بخش رہا تھا کہ اس کی گرمی جسم میں اتر آنے والی سردی کے احساس کو کم کر رہی تھی۔
ہوا بڑی تیز تھی مگر وہ یہیں بیٹھی تھی کہ کپڑے خشک ہو جائیں تو ہی اندر جاؤں گی اس نے آج روٹی بھی جلدی ڈال لی اور پھر جھکی پلکوں کے ساتھ مراد کے کمرے میں چلی آئی۔
"چاچا روٹی کھالو۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔
"ارے اتنی جلدی۔" مراد نے حیرت سے کہا' وہ اب پوری طرح سنبھل چکا تھا' زرو کچھ بولی نہیں۔ روٹی رکھ کر پلٹ آئی' اس کو کافی سردی لگ رہی تھی اور سر میں بھی درد تھا وہ اپنے کمرے میں آئی کپڑے اب خشک ہو چکے تھے' مگر اتنی دیر ٹھنڈ میں بیٹھ کر انہیں خشک کرنے کا نتیجہ بھی سامنے آرہا تھا اس کی طبیعت خاصی خراب تھی۔
"چاچا....." سر کے درد نے اتنا بے حال کیا کہ وہ مراد کو آوازیں دینے لگی۔
"کیا بات ہے زرو؟" ساتھ ساتھ تو گھر کے یہ دو

کمرے تھے آواز سنتے ہی مراد چلا آیا۔
"میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔"
"کیوں خیر ہے؟۔" زرو لیٹی ہوئی تھی وہ بستر پر اس کے قریب آ بیٹھا اور پیشانی کو چھو کر دیکھا۔
"تمہیں تو بخار ہے بلی۔"
"ہائے بڑا درد ہو رہا ہے۔"
"پر یہ بخار ہوا کیسے؟ دوپہر کو جب میں گھر آیا تب تو تم ٹھیک تھیں۔"
"بارش میں کپڑے گیلے ہو گئے تھے۔ انہیں خشک کرنے کو چولہے کے قریب بیٹھی رہی ہوا بڑی ٹھنڈی تھی، ہائے چاچا پانی تو پلا دو۔" وہ جلدی سے اٹھ کر باہر گیا اور گھڑے سے پانی کا گلاس لے آیا، سہارا دے کر زرو کو بیٹھایا اور بولا "گیلے کپڑے کیوں پہن کر بیٹھی رہی بدل لیے ہوتے۔"
"صبح سارے دھو ڈالے تھے میں نے اور بارش نے سب بھگو دیئے۔"
"اوہو کوئی پرانا ہی پہن لیتیں۔" وہ اسے سہارا دیئے ہوئے تھا پانی کا گلاس ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا "پرانے کپڑے تو اب پورے نہیں آتے" زرو نے ہولے سے اور چہرہ جھکا کر کہا تھا۔
"چلو چھوڑو اونچے ہوتے مگر۔۔۔۔ مگر۔"
وہ کہتے کہتے رک گیا زرو کا چہرہ اور بھی جھک گیا اور مراد کو لگا سہارا دینے کے لئے جو ہاتھ زرو کی کمر میں ڈالا تھا وہ دہکنے لگا ہے بخار کی حدت اس میں بھی آ گئی ہے۔
"نہیں یہ بخار کی حدت نہیں، یہ کچھ اور ہے۔" زریں نے پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اور خالی گلاس لینے کے بعد مراد دوبارہ اس کمرے میں نہیں آ سکا وہ واپس چلا گیا۔
رات بخار کی وجہ سے وہ ٹھیک طرح سے سو نہیں سکی اور صبح آنکھ بھی نہیں کھلی۔
مرد کام پر جانے کے لئے اٹھا تو دیکھا۔ صحن میں رات کی بارش کا پانی جگہ جگہ کھڑا تھا ہوا بڑی سرد تھی اور سیڑھیوں کے نیچے بنا مٹی کا چولہا بجھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے، زرو ابھی تک نہیں اٹھی۔ رات اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی پتہ نہیں اب کیا حال ہے وہ اس کے لیے پریشان ہو گیا اور آوازیں دینے لگا۔
تیسری آواز پر زرو اٹھ کر دروازے تک آئی وہ تھکی تھکی اور کمزور دکھائی دے رہی تھی۔
"بخار نہیں اترا تمہارا" مراد نے قریب جا کر بزرگانہ پیار کے ساتھ پوچھا۔ جواب میں وہ بھی کسی چھوٹی بچی کی طرح بسوری اور نفی میں سر ہلا دیا۔ مراد نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور بولا۔
"ہاں بخار لگ تو رہا ہے، بس ابھی تھوڑی دیر تک ڈاکٹر کی دوکان کھل جائے گی پھر میں تمہارے لئے دوائی لے کر آؤں گا۔"
"ناں چاچا! مجھے دوائی نہیں کھانی۔ کڑوی زہر لگتی ہے مجھے، بس میں خود ہی ٹھیک ہو جاؤں گی۔"
"ہوں، خود ہی ٹھیک ۔۔۔۔ ہو جاؤں گی۔" مراد نے نقل اتاری پھر آنکھیں نکال کر بولا۔
"اور جو مر گئی تو میں دوسری زرو کہاں سے لاؤں گا۔"
"اچھا ہے نا تیری جان چھوٹ جائے گی۔" زرین ہنس پڑی۔
"ناں ایسے نہ بول ارے میں تو زندہ ہی تیرے لیے ہوں بلی، تو نہیں تو کچھ بھی نہیں۔" پھر وہی پاکیزہ پیار، روح کا رشتہ بیدار ہو چکا تھا۔ دونوں اس وقت ایک سے جذبات میں نہائے ہوئے تھے اور زرو کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ مراد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر اس کا سر سینے سے لگا کر چوم لیا۔
"رو کیوں رہی ہے پاگل لڑکی۔"
"روؤں نہیں تو اور کیا کروں تو اتنا پیار جو کرتا ہے مجھ سے۔" وہ اور بھی شدت سے رونے لگی۔
"میں پیار کرتا ہوں تو اس میں رونے والی کیا بات ہے۔" مراد نے اسے خود سے جدا کر کے سامنے کیا اور مذاق اڑایا۔
"ہے نا رونے والی بات۔ بھلا کسی کو ملتا ہے ایسا پیار کرنے والا چاچا۔"
"چل بے وقوف اب چپ ہو جا اور بتا کیا کھائے گی۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں پر بیٹھ پہلے میں تیرے

لیے چائے بنالوں۔"

"ہاں تو چائے بنائے گا' میں بنالیتی ہوں۔ اب اتنی بھی بیمار نہیں۔" زرو نے جھٹ آنسو پونچھ ڈالے اور کام کرنے کو تیار نظر آنے لگی۔

"آرام سے بیٹھ جا بستر پر' دیکھنا ابھی کیسی اچھی چائے بنا کر لاتا ہوں۔"

اس روز مراد کام پر نہیں گیا۔ پہلے اسے دوا لا کر دی پھر دوبارہ بازار چلا گیا واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں لفافہ تھا جس میں بسکٹ اور فروٹ بن تھے بولا۔

"ڈاکٹر نے تمہیں روٹی کھانے سے منع کیا ہے' اس لیے میں یہ لے آیا ہوں۔" لفافہ زرو کے بستر پر رکھ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

زرو نے لفافہ اٹھایا تو یہ دیکھنے کے لئے کہ اس میں ہے کیا کچھ مگر اس پر بنی تصویر نے ساری توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ سبزہ' پہاڑ' سفید بھیڑیں اور ان کے پیچھے دو بچے سرخ و سفید رنگت والے۔

"ہائے میری بستی کی تصویر۔" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں دونوں ہاتھوں سے لفافہ پکڑے وہ کتنی دیر اس تصویر کو بغور دیکھتی رہی پھر اٹھ کر مراد کے پاس چلی آئی۔

"چاچا او چاچا دیکھو تو یہ تصویر میری بستی کی ہے نا۔"

وہ بستر پر لیٹا تھا اس کی آمد پر اٹھ بیٹھا اور تصویر دیکھ کر بولا۔

"ہاں یہ کسی پہاڑی علاقے کی تصویر ہے۔"

"کتنی پیاری کتنی اچھی ہے۔" زرین گل کے لہجے میں اک فخر ایک غرور تھا' جسے مراد نے محسوس نہیں کیا عام سے انداز میں ہاں کہہ کر پھر لیٹ گیا اور بولا۔

"لگتا ہے' اب پھر بارش ہوگی اور بادل کہتے ہیں یہ سلسلہ جلدی ختم نہیں ہوگا' بڑا گند پڑ جاتا ہے شہر میں اس بارش کے بعد۔"

زرو نے اس کی کوئی بات نہیں سنی واپس آ کر لفافے میں موجود ساری چیزیں ایک پلیٹ میں ڈال دیں۔ قینچی سے کاٹ کر لفافے کو سیدھا کیا اور اب تصویر اور بھی واضح اور اچھی لگ رہی تھی اب اس نے پیالی میں تھوڑا سا آٹا لیا اور لئی سی بنا کر یہ تصویر اس لئی کی مدد سے دیوار پر چپکا دی۔

"کتنا اچھا لگ رہا ہے سارا کمرہ سج گیا ہے" وہ بار بار اس تصویر کی جانب دیکھتی اور وطن کی محبت اس کے دل میں ٹھاٹھیں مارنے لگتی اسے اپنا بابا' اپنا گھر اور بچپن کے ساتھی یاد آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھیں بھیگ گئیں پتہ نہیں میں کتنی دور آ گئی ہوں اپنے لوگوں سے اپنے وطن سے۔

"اری زرو تو بیمار تھی تیرے چاچا کو چاہیے تھا ہمیں بتا دیتا تیرا حال پوچھنے ہی آجاتے ہم۔" اگلے روز بھلی چنگی ہو کر وہ جب لڑکیوں کے درمیان بیٹھی تھی تو شادو کہہ رہی تھی۔

"بخار آکیوں گیا۔" رقیہ نے ہمدردی سے پوچھا۔

"دھلے کپڑے اتارنے چھت پر گئی تھی بارش میں بھیگ گئی بخار ہو گیا۔"

"تیرا چاچا تو بڑا پریشان رہا ہوگا۔" شادو نے پھر ٹانگ اڑائی

"شمشادو! تجھے ہر وقت اس کے چاچا کی ہی کیوں پڑی رہتی ہے۔" پروین آخر کہہ بیٹھی اور جواب میں شادو ہنسنے لگی۔

"نی لڑکیو مبارک ہو اپنی گلزاری کی بات پکی ہو گئی ہے' لو لڈو کھاؤ۔" اماں سکھاں پلیٹ میں لڈوؤں کا مینار بنائے چلی آئی۔

"ہیں! گلزاری آپا کی بات پکی ہو گئی کہاں' کس کے ساتھ۔" سب کی سب خوش تھیں' لڈو لے رہی تھیں اور پوچھ رہی تھیں۔

"جہاں داد کے ساتھ پکی ہوئی ہے۔ ابھی ابھی جہاں داد کی ماں گلزاری کے ہاتھ پر سو کا نوٹ رکھ کر گئی ہے۔"

"جہاں داد بر وہ' گلزاری کا ماموں ہے" پروین لڈو کھاتے کھاتے رک گئی۔

"لے دیکھو تو وڈی سیانی۔" اماں سکھاں نے مذاق اڑایا پھر بولی۔

"سگا ماموں تھوڑی ہے۔ دور پرے سے کہیں لگتا ہو تو لگتا ہو۔" اتنا کہہ کر پلیٹ اٹھائی اور آگے اطلاع

اور مٹھائی دینے چل پڑی لڑکیاں ہنس بول رہی تھیں لڈو کھا رہی تھیں گلزاری کے پاس جانے اور ایسے چھیڑنے کی باتیں کر رہی تھیں مگر زرو گم صم بیٹھی تھی اس کے اندر باہر اک آگ سی پھیل رہی تھی۔

"سگا ماموں تھوڑا ہی ہے دور پرے سے ہو تو ہو اور چاچا تو دور پرے سے بھی کچھ نہیں لگتا۔" اسے جھرجھری سی آگئی چور نظروں سے سب لڑکیوں کی طرف دیکھا ڈر تھا کہیں وہ اس کی کیفیت جان تو نہیں گئیں زرو جو سوچ رہی ہے انہوں نے پڑھ تو نہیں لیا۔

جہاں داد جسے گلزاری آپا' ماموں کہتی تھی اور میں مراد کو چاچا کہتی ہوں اور یہ شادو کہتی ہے اف اسے پسینہ آگیا' لڑکیاں اٹھ کھڑی ہوئیں کہ انہیں گلزاری کی طرف جانا تھا اسے بھی اٹھنا پڑا دو گلیاں پار کر کے گلزاری کا گھر تھا اور جب تک وہ گلزاری کے گھر تک پہنچی بالکل نارمل ہو چکی تھی۔ یہ کیفیت جو پوری شدت سے طاری ہوتی تھی اور اسے بے بس کر کے اپنے ساتھ بہا لے جاتی تھی اس کا دورانیہ بہت تھوڑا ہوتا تھا۔

یہ کیفیت تو ختم ہو جاتی مگر پھر زرو اپنی سوچ پر گھنٹوں شرمسار رہتی اور یوں محسوس کرتی اس سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے مراد کا سامنا ہونے پر وہ اسے بہت بلندی پر اور خود کو پستی میں گرا ہوا پاتی اور ہمیشہ عہد کرتی اب ایسا نہیں سوچوں گی مگر ہر بار اسے ناکامی ہوتی۔

شام کو مراد گھر آیا زرو نے روٹی اس کے سامنے رکھی اور بولی "پتا ہے گلزاری آپا کی بات پکی ہو گئی ہے۔"

"ہوں اچھا" اس نے دلچسپی نہیں لی وہ صبح کام پر نکلتا تھا' شام کو واپسی ہوتی تھی۔ محلے سے اور خاص کر لڑکیوں سے تو بالکل بھی واقفیت نہیں تھی اسے کیا پتہ گلزاری کون ہے۔

"پتہ ہے۔ کس کے ساتھ ہوئی ہے' اس کے ماموں کے ساتھ۔" زرو نے خود ہی بتا بھی دیا۔

"رشتے کا ماما ہو گا ناں؟۔"

"ہاں ہاں رشتے کا ہی ہے جہاں داد نام ہے اس کا۔ گلزاری آپا' بڑی خوش ہے ہم ساری لڑکیاں مبارک باد دینے گئی تھیں اور لڈو بھی کھائے تھے۔"

"اچھا اصل خوشی تو لڈو کھانے کی ہے؟۔" مراد کی آنکھوں میں شرارت چمکی۔

"ہونہہ ایویں' میں کوئی بھوکی ہوں" اس نے ناک چڑھائی۔

"ہو تو بھوکی جبھی تو لڈو کھانے پر اتنا خوش ہو رہی ہو ویسے کتنے لڈو کھائے تھے۔" مراد پر وہی موڈ سوار تھا۔

"تمہیں کیا جتنے بھی کھائے ہوں۔" زرو نے نخرا کیا۔

"اس کا مطلب ہے' زیادہ کھائے تھے بتاتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔"

"آپا کی اماں کہہ رہی تھیں' دو لڈو اپنے چاچا کے لئے بھی لے جاؤ' میں نے کہا' دو سے اس کا کچھ نہیں بنتا' اسے تو پورا تھال چاہیے" زرو نے بدلہ لیا۔

اور مراد ہنس پڑا پھر بولا "کیا سوچتی ہو گی لڑکی کی اماں؟ چچا بھتیجی دونوں ہی بھوکے ہیں"

اور زرین بھی اس کی ہنسی میں شریک ہو گئی' باتیں ہو رہی تھیں کہ ماسی جنیو چلی آئی۔

"آؤ ماسی! روٹی کھا لو۔" مراد نے دعوت دی۔

"نا پتر تو کھا۔ میں کھا کر ہی آ رہی ہوں گزر رہی تھی' سوچا تیرا حال چال ہی پوچھ لوں' بڑے دنوں سے تو میری طرف آیا نہیں ہے۔"

"ہاں ماسی کام ہی بڑا ہوتا ہے' کہیں آیا جایا ہی نہیں جاتا۔ یہی زرو کو شکایت ہے مجھ سے۔"

"ٹھیک ہی تو کہتی ہے بے چاری۔ سارا دن اکیلی ہوتی ہے' میں تو کہتی ہوں مراد تو اب شادی کر لے۔ گھر میں عورت آجائے گی زرو کو بھی ساتھ مل جائے گا' تو کہے تو میں بات چلاؤں۔"

"ناں' ناں ماسی! ابھی نہیں۔" اس نے روک دیا۔

"لو ابھی نہیں تو پھر کب؟۔" ماسی کے لہجے میں سرزنش بھی ڈانٹ اور پیار تھا۔ مراد نے نل کے قریب بیٹھی برتن دھوتی زرو کی طرف دیکھا اور بولا "پہلے اسے رخصت کروں گا پھر اپنے بارے میں

یہ سوچوں گا۔"

"ہاں ہاں کر دینا اسے بھی رخصت، مگر پہلے اپنی دلہن گھر لے آ اچھا رہے گا۔"

"ماسی مشورے دینے بڑے آسان ہوتے ہیں پر بڑا مسئلہ یہ ہے کہ دو بیاہ نہیں بھگت سکتا، اتنا پیسہ ہی نہیں ہے میرے پاس اس لئے پہلے اس کا سوچ رہا ہوں۔"

"مراد! تیرے جیسا چاچا بھی کسی خوش نصیب کو ہی ملتا ہے ورنہ آج کے زمانے میں کون کسی کا اپنا ہے۔ شاباش ہے تجھ پر اتنا خیال کر رہا ہے بھتیجی کا، اللہ اجر دے گا۔"

"ماسی اور سنا۔ تیرا کام دھندہ کیسا جا رہا ہے؟۔" مراد نے بات بدلنے کی غرض سے پوچھا۔

"میرا کام تو اللہ کا شکر ہے چل رہا ہے، دال روٹی جتنا کما ہی لیتی ہوں اور ضرورتیں ہی بھلا کتنی ہیں میری، اچھا اب چلتی ہوں پھر کبھی آؤں گی۔"

"چکر لگاتی رہا کرو اور اسے بھی کچھ عقل دے دو اتنی بڑی ہو گئی پر ساری حرکتیں بچوں والی ہیں۔" مراد نے زرو کی طرف اشارہ کر کے کہا اور زرو یہ بات سن کر ہنس پڑی۔

"بس جلدی سے بیاہنے کی کر، ساری عقلیں خود ہی آ جائیں گی اسے۔" ماسی اتنا کہہ کر چلی گئی۔

زرین نل کے پاس سے اٹھی اور دھلے برتن لے کر کمرے میں چلی گئی پھر دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی مراد کے پاس چلی آئی۔

"ماسی تمہاری شادی کی بات کر رہی تھیں نا چاچا؟۔"

"ہاں پر میں نے کہہ دیا ہے پہلے زرو کی ہوگی۔"

"ناں چاچا! میں نے کہیں نہیں جانا، یہیں رہنا ہے۔" وہ منہ بسور کر چارپائی پر اس کے قریب دھم سے آ بیٹھی اور ضدی لہجے میں بولی۔

"یہیں رہنا ہے۔" مراد کے اندر ایک جھماکا سا ہوا۔

"ہاں ہاں یہیں اس گھر میں تمہارے ساتھ۔" اس نے مراد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا وہ بالکل بت بنا اپنے اور اس کے ہاتھ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں تمہارے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔" زرو جدائی کے خیال سے ہی وہ چھوٹی سی بچی بن گئی تھی جسے کئی سال پہلے مراد پہاڑوں سے لے کر آیا تھا وہ بچی جو اجنبی شہر آ کر ہر وقت مراد سے چمٹی رہتی تھی۔ جسے خدشہ رہتا تھا اتنی بھیڑ میں چچا کہیں کھو نہ جائے۔

"کیسی بچوں والی باتیں کر رہی ہے زرو!" مراد کے لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ تھی جب کہ ہاتھ پر اب بھی زرو کا ہاتھ تھا۔

زرین اس کی کیفیت سے بے خبر بار بار یہیں رہنے کی تکرار کرتی رہی۔

"اچھا میں کون سا ابھی بیاہ رہا ہوں تجھے، جاؤ اب کوئی کام کرو اور مجھے کچھ دیر سونے دو۔" مراد اپنے دل میں آئی بات سے خوفزدہ تھا اور زرو کا سامنا کرنے سے گھبرا رہا تھا مگر یہ سوچ اسے اچھی بھی لگ رہی تھی وہ اسے جھٹکنا نہیں چاہتا تھا۔ زرین کو بھیج دیا مگر خود سویا نہیں بازو آنکھوں پر رکھے لیٹا رہا اور سوچتا رہا۔

کچھ دیر کے بعد زرین پھر صحن میں آ گئی تھال میں چاول ڈالے اور یہیں بیٹھ کر چھننے لگی۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ مراد سو رہا ہے جب کہ وہ جاگ رہا تھا آنکھوں پر بازو تھا اور وہ جھری سے اسے جھانک رہا تھا۔

مراد کا دل کبھی بھی اس کی جوانی پر چند لمحوں سے زیادہ نہیں دھڑکا تھا مگر آج دورانیہ طویل تھا اور کیفیت بھی زور آور اور پھر وہ سامنے بھی تو آ کر بیٹھ گئی تھی۔ صبح وہ کام پر جانے کے لئے نکلا مگر پہلے ایک مولانا صاحب سے ملا اور مسئلہ سامنے رکھا۔

"میرے عزیز! کسی کو بھائی کہہ دینے سے وہ بھائی نہیں ہو جاتا یہی حساب باقی رشتوں کے ساتھ ہے آپ کے کہنے کے مطابق وہ لڑکی چچا کہتی ہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے رشتے تو خون کے ہوتے ہیں نکاح جائز ہے۔"

مراد نے یہ جواب سن کر خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کیا اور سارا دن اس پر یہ کیفیت طاری رہی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا جی چاہتا جلدی سے گھر پہنچ جائے زرو کے پاس اس کے قریب۔

شام کو کام ختم ہونے کے بعد بازار سے گزرتے ہوئے اس نے زرین کے لئے ست رنگا دوپٹہ خریدا' کیسے اجلے اجلے پیارے رنگ تھے وہ اوڑھے گی تو اور بھی اچھا لگے گا۔ گھر میں داخل ہوا تو وہ اکیلی نہیں تھی محلے کی دو لڑکیاں بھی یہاں گھر میں آئی بیٹھی تھیں۔

"میرا چاچا آگیا۔" اسے دیکھتے ہی وہ خوش ہو کر لڑکیوں سے کہہ رہی تھی۔ لہجے میں پیار تھا' احترام تھا اور مسرت تھی' ہر رنگ پاکیزہ سچا کھرا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بھی نہیں جھجکی کہ دل صاف جو تھا اس کے بازو پر ہاتھ بھی بے تکلفی سے رکھا تھا اور پھر دوپٹے والا لفافہ کھینچ لیا تھا۔

"ہائے اتنا پیارا دوپٹہ میرا ہے نا؟" تب مراد نے بے تاثر سے انداز میں سر اثبات میں ہلا دیا زریں کے انداز نے اسے ٹھٹھک جانے پر سوتی کیفیت سے جاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

زرین نے دوپٹہ لفافے سے نکالنے کے بعد اب کھول کر سر پر اوڑھ لیا اور مراد کی طرف دیکھ کر ایک ناز سے مسکرا دی۔ بچپن سے ایسا ہی تو کرتی آئی تھی وہ جب بھی نیا کپڑا پہنتی یوں ہی اک ادا سے مسکرا کر ایسے دیکھتی جیسے پوچھ رہی ہو۔

"اچھی لگ رہی ہوں نا چاچا؟" دونوں لڑکیاں اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی تھیں اور ہاتھ سے چھو کر دوپٹہ دیکھ رہی تھیں۔

"اچھا ہے نا؟" زرو نے یقین کے ساتھ پوچھا۔

مراد کے اندر ایک جنگ چھڑ گئی تھی' وہ ہاں رک نہیں سکا اندر کمرے میں چلا گیا اور چارپائی پر بیٹھ کر سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ پچھتاوا شدید پچھتاوا میں نے ایسا سوچا بھی کیوں؟ کیا ہو گیا تھا مجھے وہ تو اتنی معصوم ہے اتنی پیاری' بڑی ہو گئی ہے مگر اندر سے اب بھی بچی ہی ہے مجھ پر' ایسی سوچ کیوں سوار ہو گئی تھی یہ سب تو وہی سمجھتے ہیں کہ میں زرو کا چچا ہوں اب جو اچانک میں یہ فیصلہ سنا دوں گا تو کیا سوچیں گے اور زرو وہ تو مر ہی جائے گی' اس کا جی چاہا' باہر جا کر زرو کے ہاتھ سے وہ دوپٹہ لے کر آگ لگا دے۔ جس نیت سے وہ یہ تحفہ لایا اب اس کے بارے میں سوچ کر خود سے شرم آ رہی تھی۔

"چاچا! روٹی لاؤں تمہارے لئے؟" زرین وہی دوپٹہ اوڑھے دروازے میں آ کر پوچھ رہی تھی۔ مراد سے بولا نہیں گیا وہ بھی جواب لیے بغیر چلی گئی کہ روٹی تو گھر آ کر کھانا ہی تھا۔

تھوڑی دیر بعد کھانا لے کر دوبارہ اندر آئی مراد اب بھی یونہی بیٹھا تھا وہ آئی تو سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور گہری سی سانس کھینچ کر اپنی کیفیت قابو میں کرنے کی کوشش کے بعد بولا "یہ دوپٹہ اوڑھ کر مت پھرو۔"

"کیوں چاچا؟" اس نے پلکیں اوپر اٹھا کر حیرت کا اظہار کیا۔

"اس لیے کہ میں یہ دوپٹہ۔۔۔۔" مراد اتنا کہہ کر رک گیا کہ آخر کہوں تو کیا کہوں۔

"ہاں بولو ناں' کیا تم میرے لئے نہیں لائے تھے؟"

"لایا تو تمہارے لیے ہی ہوں بلی' میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اسے سنبھال کر رکھو کسی خاص وقت کے لیے۔"

"خاص وقت۔" وہ سمجھی نہیں۔

"آ' ہاں ہاں اپنی شادی کے لیے۔" زرین اتنا سن کر تیزی سے مڑی اور باہر چلی گئی' پھر دوبارہ مراد نے اسے وہ دوپٹہ اوڑھے نہیں دیکھا ہاں سوچا ضرور یہ تو کہتی تھی شادی نہیں کرنی اور اب اتنی جلدی دوپٹہ سنبھال لیا اپنی شادی کے لئے تو اس روز یونہی نخرہ دکھا رہی تھی۔

مراد کا خیال تھا' وہ خود کو سمجھا لے گا یہ سوچ دوبارہ اس کے ذہن میں نہیں آئے گی۔ مگر وہ بھول گیا تھا کہ جذبوں پر اختیار نہیں ہوتا' نفرت کا ہو یا محبت کا' یہ اپنا آپ منوا کر رہتے ہیں کہیں نہ کہیں اظہار ہو جاتا ہے نفرت بھی اور محبت بھی اگر دل میں رہ جائے تو درد بن جاتی ہے اور زرو کی محبت بھی دل کا درد بننے لگی تھی۔

موسم کچھ بدل رہا تھا اب سردی رخصت ہو رہی تھی دن میں جب تیز دھوپ نکلتی تو گرمی محسوس ہونے لگتی تھی مگر راتیں تو ابھی سرد تھیں گرمی تو مراد کے اندر تھی جو اسے سونے نہیں دیتی تھی' پیاس اتنی لگتی کہ

حلق خشک ہو جاتا جی چاہتا ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ ہو اور وہ سارا پی جائے زرو' یہ نام اس کی روح پکارتی تھی۔ دل آواز دیتا تھا۔ آنکھیں بلاتی تھیں مگر لب خاموش تھے وہ پیاس کی شدت برداشت نہیں کر سکا اٹھ کر پانی پینے کے لئے صحن میں چلا آیا۔

چودھویں کی رات تھی۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا اور اس کی پاکیزہ روشنی میں اس گلی کے ٹوٹے پھوٹے مکانوں کے گرتی ڈھتی دیواروں والے کوٹھے بھی بڑے اچھے لگ رہے تھے چاند کے حسن نے ان پر اپنا پرتو ڈال کر انہیں حسن عطا کیا تھا۔

اس کے اندر بھی تو محبت جیسے حسین جذبے نے سر ابھارا تھا حسن سے حسن کا رشتہ نکلتا تھا' سامنے بنے نایا شبیر کے کوٹھے کے عین اوپر چاند تھا وہ اسے دیکھ رہا تھا اور اسے لگتا تھا پانی پیئے بغیر ہی پیاس کی شدتیں کم ہونے لگی ہیں' وہ وہیں نیچے زمین پر بیٹھ گیا اور ٹکٹکی باندھے چاند کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ تو روز نکلتا ہو گا مگر اس کا حسن دیکھنے کے لئے آنکھ دل کی ہونی چاہیے اور مراد کے دل کی آنکھ اب کھلی تھی۔ رات کی ہوا ٹھنڈی اور مست تھی' سامنے چمکنے والے چاند میں زرین کا چہرہ تھا اور دودھیا روشنی میں ہر شے نہا کر نکھر رہی تھی اور خدا نے جو دنیا انسان کے لئے بنائی ہے طاقت کے بل پر تنہا مالک بن جانے والا (مرد) ایک جذبے سے مغلوب ہو کر مبہوت بیٹھا تھا اور یہی ایک جذبہ تو ہے جو اسے مغلوب کرتا چلا آیا ہے اس کے ذہن و دل پگھلاتا رہا خدا نے یہ جذبہ اس کے دل میں اتار کر بانی مخلوق پر احسان کیا ہے دور کوئی بانسری بجا رہا تھا شاید کوئی بے فکرا یا شاید کوئی چوٹ کھایا ہوا اور یہ بھی ممکن ہے عشق کی پھوار میں تن من دھن سب بھگو کر وہ سرشاری کی کیفیت میں اپنے دل کی دنیا دوسروں کو دکھا رہا ہو' چھت سے بلی نے دیوار چھلانگ لگائی وہاں سے اتر کر وہ صحن میں آنا چاہتی تھی مگر پھر یہاں اسے موجود پا کر واپس چھت پر چلی گئی۔

اس نے کہا "یہ دوپٹہ رکھ دو' یہ تمہاری شادی کے لیے ہے"

"میری شادی کب ہو گی' میری شادی اور کس کے ساتھ ہو گی؟ میری شادی' کیسا ہو گا وہ۔"

"مراد جیسا۔" آواز دل سے آئی اس نے غصے سے سر جھٹکا اور بولی۔

"جھوٹ نہ کہہ مراد جیسا دوسرا کوئی کہاں ہو گا۔ وہ تو ایک ہی ہے اس دھرتی پر اور جب ایک ہی ہے تو کیا اسی سے ہو گی شادی۔ چل چل بہکا نہ مجھے وہ بھلا کہاں کرے گا مجھ سے شادی اسے بھی تو پتہ ہے' وہ میرا چاچا نہیں' اسے یہ بھی پتہ ہو گا' میرے چاچا کہہ دینے سے وہ چاچا ہو تو نہیں جاتا پھر بھی بن بیٹھا ہے میرا بڑا ہونہہ آیا کہیں کا بزرگ بن کے میرا' نہیں کرنا مجھے بھی پھر کسی سے شادی بس میری بھی ضد ہے یہ' کہتا ہے جب تک زرو کی شادی نہیں ہو گی میں بھی شادی نہیں کروں گا' ٹھیک ہے میں نہیں کرتی' کسی سے شادی وادی تو بھی نہ کر بیٹھے رہیں گے یونہی دونوں۔"

اسے بھی ضد سی آ گئی تھی' سارا دن خود ہی بڑبڑاتی رہی' غصے میں گھر کی صفائی بھی خوب کی سارے کپڑے بھی دھو دیے اور ہانڈی بھی پکالی وہ اس کی منتظر تھی پر ابھی تو دوپہر تھی اسے شام کو آنا تھا' اپنے وقت پر۔

شام کو وہ گھر آیا تو بھی زرو الجھی الجھی سی تھی جب کہ وہ اس وقت منہ زور جذبوں کے اثر سے آزاد تھا۔ آج تھکن بھی زیادہ تھی اس نے دیکھا ہی نہیں زرین کا مزاج خراب ہو رہا ہے' کیوں ہو رہا ہے جاننے کی کوشش نہیں کی اور زرین کو اور بھی زور کا غصہ آ گیا روٹی کھا کر وہ سو گیا یہ بیٹھی اپنی بے قراری پر رونے لگی۔

آج رات اسے بھی نیند نہیں آئی' وہ بھی صحن میں نکل آئی چاند آج بھی آسمان پر چمک رہا تھا کوئی بانسری بجا رہا تھا بلی آج بھی دیوار پر آئی نیچے آنے لگی تو نظر اس پر پڑی' اگر وہ سوچ سکتی ہو گی تو اس نے سوچا ہو گا' دونوں ایک ہی وقت کیوں نہیں جاگتے۔ چاند کی چاندنی میں اکٹھے کیوں نہیں بیٹھتے' پوچھ سکتی تو کسی سے پوچھ بھی لیتی اور کوئی وجہ جان بھی لیتا کہہ بھی دیتا' یہی تو ہاتھ ہوا ہے ان کے ساتھ جذبے ایک ہی وقت پر نہیں جاگ رہے پیاس ایک ہی وقت پر نہیں ستاتی

اور یہ کارستانی قسمت کی ہے سارا کیا دھرا اسی کا ہے' کوئی جو لکھی قسمت کا کچھ بگاڑ سکے تقدیر سے ٹکر لے سکے۔

......*

"زرو تو اس وقت یہاں؟" مغرب کی اذانیں ہو چکی تھیں گلی میں اندھیرا اتر رہا تھا جب زرین ماسی جنیو کے گھر آئی تھی۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"چاچا ابھی تک نہیں آیا' میرا دل گھبرا رہا ہے' پتہ نہیں کہاں رہ گیا۔"

"تو تو خامخواہ میں فکر کر رہی ہے۔ آتا ہی ہو گا' ایسے نہیں گھبرا جاتے بھروسہ کرتے ہیں۔" یاسی جینو کے گھٹنے میں درد تھا وہ تیل کی مالش کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ اسے ڈانٹتے ہوئے سمجھا رہی تھی۔

زرو کچھ دیر بیٹھی پھر مراد کو دیکھنے گلی میں آ گئی وہ کہیں بھی آتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کچھ دیر گلی میں کھڑی رہی پھر اپنے گھر میں آ گئی۔ کیا پتہ میں ماسی کی طرف ہوں' وہ بعد میں آ جائے تو کہاں ڈھونڈتا پھرے گا مجھے' اندر آ کر بتی جلائی اور اپنے بستر پر بیٹھ گئی سامنے نظر کی وہی تصویر سامنے تھی' اس کی بستی کی تصویر' اب تو اسے اپنا علاقہ بس دھندلا سا ہی یاد تھا مگر اس تصویر کو دیکھتی تو لگتا وہ یہی جگہ تھی' یہی علاقہ تھا جہاں اس کا ایک بہت پیار کرنے والا باپ تھا' وہ تھی اور گنگناتے چشمے تھے' میرا وطن میرے لوگ اس نے بڑھ کر تصویر پر ہاتھ پھیرا اور بغور اسے دیکھتے ہوئے اپنے بچپن کی یاد کرنے کی کوشش کرتی رہی وہ بھول ہی گئی اسے مراد کا انتظار تھا۔ باہر سے ابھرتی آہٹوں نے اسے چونکا دیا۔ وہ دوپٹہ سر پر اوڑھ کر جلدی سے دروازے میں آئی تو سامنے صحن کے بیچوں بیچ مراد کھڑا تھا ساتھ کوئی اور بھی تھا مگر اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ اس کی شکل نہیں دیکھ سکی۔

"آج بڑی دیر کر دی۔"

"ہاں بس دیر ہو گئی' تم جلدی سے ہم دونوں کے لئے روٹی لے آؤ۔" وہ آنے والے کو ساتھ لے کر کمرے میں چلا گیا۔ ذرا دیر بعد باہر نکلا اور صحن میں پڑی دوسری چارپائی بھی اندر کر لی۔

وہ روٹی لے کر اندر آئی' نگاہ مراد کے بستر پر نیم دراز مہمان پر پڑی اور دل ایکدم سے تیزی سے دھڑک اٹھا دوسری طرف اجنبی کی کیفیت بھی مختلف نہیں تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا اور جلدی سے سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"یہ میری بھتیجی ہے' اس کی ماں بھی اوپر پہاڑوں کی تھی۔"

مراد نے اس کی حیرت دور کر دی وہ مسکرا دیا اور لمبی اوکر کے رہ گیا۔

"یہ مہمان یہ اوپر پہاڑوں سے آیا ہے۔"

زرین وہیں مراد کے ساتھ بیٹھ گئی اور بے حد اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"ہاں اس کا نام بہادر خان ہے' یہ ٹرک ڈرائیور ہے۔ اسے واپس جانا تھا مگر طبیعت خراب ہے اس کی میں اپنے ساتھ گھر لے آیا۔"

"تم نے بہت اچھا کیا چاچا' اور بتاؤ سب کیسے ہیں؟۔" وہ بہادر خان سے یوں پوچھ رہی تھی جیسے وہ اسی کی بستی سے ہو کر آ رہا ہو۔

"بلی ہم روٹی کھا لیں پھر تم چائے بنا دینا۔"

"پر چاچا گھر میں پتی تو ختم ہو گئی ہے۔"

"اچھا میں ابھی لے کر آتا ہوں۔" مراد روٹی کھاتے ہی پتی لینے چلا گیا زرین وہیں بیٹھی رہی اور چپکے چپکے اس اجنبی کی طرف دیکھتی رہی جس کی آنکھوں کا رنگ اس کی آنکھوں جیسا تھا اور چہرہ بھی ایسا ہی صاف تھا کبھی وہ بھی اس اوپر نظر ڈال لیتا اگر نظریں مل جاتیں تو دونوں مسکرا دیتے۔ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد زرو بولی۔

"بہت سال ہوئے میں اپنے وطن سے ادھر آ گئی تھی۔ چاچا مجھے ساتھ لے آیا تھا ناں بس پھر ادھر گئی ہی نہیں دوبارہ' مگر مجھے یاد بہت آتا ہے' میں نے کمرے میں ایک تصویر بھی لگا رکھی ہے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟۔" بہادر خان نے پوچھا۔ وہ مسکرا دی اور بولی۔

"چاچا تو مجھے بلی کہتا ہے اور محلے والے زرو مگر

ماں باپ نے میرا نام زرین گل رکھا تھا۔"

"ہاں زرین گل یہ بہت اچھا نام ہے۔" بہادر خان نے تعریف کی۔

پھر تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی جسے بہادر نے توڑا اور بولا۔

"زرین گل! کیا تم اپنے وطن سے دور آکر خوش ہو؟"

"نہیں بالکل نہیں مجھے یہ شہر' یہ لوگ کچھ اتنے اچھے نہیں لگتے' یہ میرے اپنے جو نہیں ہیں ناں۔" اس نے جواب دینے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا۔

"ہاں' میں بھی صرف محنت مزدوری کی وجہ سے ادھر آتا ہوں پھر دوبارہ چلا جاتا ہوں' ادھر میری اک بہن ہے اور چھوٹا بھائی ہے۔"

"اب جاؤ تو اپنی بہن کو میرا سلام کہنا۔" زرین نے یوں کہا تھا جیسے قیدی اپنے ساتھیوں کو پیغام بھیج رہا ہو۔

"ہاں میں بول دوں گا تمہارا سلام اور جب پھر دوبارہ ادھر آؤں گا تو تم سے ملنے بھی آؤں گا تم بتاؤ کچھ منگوانا ہو تو میں ادھر سے لیتا آؤں گا۔"

"ادھر سے۔" زرین کی آنکھوں میں چمک آگئی وہ سوچنے لگی اسے کیا منگوانا چاہیے' اسے اپنا باپ یاد آیا جو اس کے لئے خوبانیاں لایا کرتا تھا اخروٹ اور انجیریں اور ہاں اسے بادام بھی تو بہت پسند تھے۔

"بہادر خان! تم میرے لئے بادام لے کر آنا۔" اس نے بے تکلفی سے فرمائش کر دی کہ وہ اجنبی کب لگا تھا وہ تو اپنا تھا۔

مراد چائے کی پتی لے کر آگیا' زرین نے چائے بنائی اس کے بعد بہادر دوا کھاتے ہی سونے کے ارادے سے لیٹ گیا تو زرین کو بھی اٹھ کر اپنے بستر پر جانا پڑا مگر اس رات وہ سونے سے پہلے بھی اپنی وادیوں میں گھومتی رہی۔ اور سونے کے بعد بھی۔

مراد صبح کام پر چلا گیا مگر بہادر کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔ وہ گھر پر ہی رہا محلے کی لڑکیاں آتی رہیں جس جس نے بہادر کو دیکھا یہی کہا۔

"ہائے یہ تو بالکل تیرے جیسا ہے' رشتے دار ہے کیا تیرا؟۔"

اور اس نے بھی جھٹ اثبات میں سر ہلا دیا۔ کہہ دیا۔

"ہاں ملنے آیا ہے مجھ سے۔"

وہ اپنے بستر پر ہی سست پڑا رہا۔ زرین آنے بہانے کئی بار کمرے میں آئی مگر زیادہ بات نہیں ہو سکی۔

......*

پھر بہادر اکثر آنے لگا۔ زرو کے لیے وطن سے بادام بھی آئے اور کڑھائی والی شال بھی زرمینہ کی طرف سے سلام بھی ملا اور یہ پیغام بھی۔

"کہ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں بھائی کہتا ہے تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ کیا تم کبھی ہم سے ملنے آؤ گی۔"

"بھلا میں وہاں کیسے جا سکتی ہوں؟۔" وہ اداس ہو کر

پاک و ہند کے مشہور و معروف شاعر
وسیم بریلوی
کے مجموعۂ کلام
مزاج
دُوسرا ایڈیشن شائع ہوگیا ہے

میں چاہتا بھی یہی تھا وہ بے وفا نکلے
اُسے سمجھنے کا کوئی تو سلسلہ نکلے

کتابِ ماضی کے اوراق الٹ کے دیکھ ذرا
نہ جانے کون سا صفحہ مڑا ہوا نکلے

قیمت/ 60 روپے
سول ایجنٹ
مکتبۂ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی فون نمبر 216361

کہنے لگی۔
"کیوں تم کیوں نہیں جاسکتیں' یہ کوئی زیادہ مشکل تو نہیں۔" بہادر کی آنکھوں میں شرارت تھی' نیلے کانچ چمک رہے تھے۔ جذبے ایک ہی بار بیدار ہوئے تھے اور بہت سرکش تھے منہ زور تھے۔ وہ بھول ہی گئی ایک مراد بھی تھا۔ وہ بھول ہی گئی چاندنی میں بیٹھ کر اس نے کس کرب سے اس کو پکارا تھا شاید یہ عمر کا تقاضہ تھا' ہر چہرہ کھینچتا تھا مگر محبت تو کسی ایک سے ہوتی ہے اور اسے لگا تھا محبت اسے بہادر سے ہوگئی ہے۔ مراد کے بارے میں ایسا سوچ کر گھنٹوں پشیمان رہتی تھی غلطی کا احساس ہوتا تھا اس سے منہ چھپاتی پھرتی تھی مگر بہادر کے بارے میں سوچ کر روح سرشار ہوجاتی تھی۔ اس کا سامنا ہوتا تھا تو دل خوشگوار انداز میں دھڑکنے لگتا تھا۔

رہا مراد تو مراد کے دل نے کہا تھا۔

"محبت تو ایک ہی بار کی جاتی ہے۔ مجھے بھی محبت ہوگئی ہے زرو میرے زندگی ہے اور زندگی رہے گی وہ میری سگی بھتیجی تو نہیں مذہب اجازت دے رہا ہے تو پھر کیوں شرم۔"

اس نے زرو کو اپنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ مناسب وقت کی تلاش میں تھا بہادر اس کے گھر بہت آتا تھا مگر مراد کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں بھی یہاں آجاتا ہے وہ اس روز ذرا جلدی گھر آگیا تھا بہادر کو موجود پاکر ٹھٹھکا مگر زرو نے بروقت بات بنالی۔

"چاچا' زرمینہ نے میرے لیے تحفہ بھیجا ہے وہی دینے آیا تھا۔"

مراد بچہ نہیں تھا۔ وہ دونوں کے چہروں کے بدلتے رنگ پہچان گیا تھا بہادر سلام کرکے اور کام کا بہانہ بنا کر جلدی سے نکل گیا اور زرو اس کے آگے پیچھے پھرنے لگی کبھی چائے کا پوچھتی' کبھی روٹی کا' وہ برابر کچھ نہ کچھ بولے جارہی تھی' صاف ظاہر تھا وہ مراد کا دھیان بہادر کی طرف سے ہٹانا چاہ رہی ہے' یہ نہیں جانتی تھی وہ تو اپنے درد سے بے حال ہورہا ہے کچھ کھودینے کا احساس بہت تڑپا رہا ہے اسے وہ رات ٹھیک سے سو نہیں سکا' دل میں بہادر کے خلاف نفرت ابل رہی تھی اسے کوئی حق نہیں پہنچتا زرو میری ہے وہ اسے مجھ سے چھین نہیں سکتا۔ آئندہ یہاں آیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا مگر رات کے پچھلے پہر جب اس نے بہادر کے لئے نفرت پکی کرلی تھی اچانک یہ خیال آیا زرین بھی اس کی آمد پر خوش تھی' اس کا دل بجھ کر رہ گیا سارے جذبے جن میں محبت کا بھی تھا اور نفرت کا بھی اٹکی اٹکی سانسیں لینے لگے۔

صبح وہ روٹی بنارہی تھی۔ مراد چارپائی پر بیٹھا تھا اسے زرو کے چہرے کا صرف دایاں حصہ دکھائی دے رہا تھا' سرخ و سفید رنگت چمکتی آنکھیں جن کا رنگ بہادر کی آنکھوں جیسا تھا اور بالوں کا رنگ بھی بہادر کے بالوں جیسا ہے' وہ اپنے کام میں مگن تھی مراد اسے دیکھتا رہا اور اسے لگا زرو کا چہرہ اچانک بہادر کے چہرے میں بدل رہا ہے بالکل وہی نقش' اس نے گھبرا کر نگاہ پھیرلی اور ایکدم سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا چاچا؟۔" زرو نے مڑکر اس کی جانب دیکھا۔

"بس کام پر جارہا ہوں۔" مراد کی آواز بدلی بدلی تھی۔ مگر زرو نے محسوس نہیں کیا حیران ہوکر بولی۔

"روٹی کھائے بغیر ہی جارہے ہو۔؟" مراد نے جواب نہیں دیا گھر سے باہر چلا گیا۔

"یہ آج چاچا کو کیا ہوگیا؟۔" وہ حیران تھی' گھر کے چھوٹے موٹے کام نبٹا کر اب وہ گلی محلے میں نہیں نکلتی تھی کہ بہادر دوپہر میں ہی آتا تھا اور زرو کو روز ہی اس کا انتظار رہتا تھا آج بھی دل گواہی دے رہا تھا' وہ ضرور آئے گا اور دل نے جھوٹ نہیں کہا تھا' وہ آگیا اور زرین ہواؤں میں اڑنے لگی۔

وہ اسے مراد کے کمرے میں لے آئی اور خود چائے بنانے چولہے کے پاس آبیٹھی ابھی پانی چولہے پر رکھا تھا کہ وہ بھی باہر آکر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"تم ادھر کیوں آگئے؟۔" زرین نے بے ساختہ سی مسکراہٹ (جو بہادر کے آتے ہی اس کے چہرے کا حصہ بن جاتی تھی) کے ساتھ پوچھا۔

"تم سے ملنے آتا ہوں' تم نے ادھر کمرے میں اکیلا بٹھادیا مجھے۔"

"مجھے معاف کردو، مجھ سے غلطی ہوئی پر دل کی بات تجھ سے نہیں کہوں گی، تو پھر کس سے کہوں گی، تو ہی میرا باپ ہے تو ماں اور تو ہی سہیلی بھی ہے، میں تجھ سے کہے بغیر رہ نہیں سکتی، پر میں دیکھ رہی ہوں تو اس وقت میری ماں، باپ یا سہیلی بن کر نہیں سوچ رہا تو صرف مرد ہے جسے عورت کے سکھ اور دکھ کا کوئی خیال نہیں ہوتا اسے بس اپنی آن کی فکر ہوتی ہے۔"

مراد نے اس کی جانب دیکھا اس نے جو کچھ ابھی کہا تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ نظر انداز کیا جاتا ایک لمحے کے لئے شرمندگی نے آن گھیرا وہ کیا سمجھتی ہے اور میں کیا سوچتا ہوں، اپنا چہرہ دوسری جانب کرلیا اور خود پر ہزار لعنت بھیجی۔

"مجھے پہاڑ اچھے لگتے ہیں، میں اب تک اپنے وطن کو بھلا نہیں سکی اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں، چاچا! جب تک بہادر یہاں نہیں آیا تھا میں یہیں سمجھتی تھی کہ اب میرا جینا مرنا یہیں ہے اور مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں تھا اس پر مگر اب اسے دیکھ کر اپنے وطن کی یاد بہت ستانے لگی ہے میں بے بس ہوگئی ہوں چاچا۔"

"جا اندر دفع ہوجا۔ آج خیال آرہا ہے تجھے ساتھ لا کر غلطی کی تھی۔"

وہ شرمندہ تو تھا مگر خواہش اتنی جلدی نہیں مرسکتی سو وہ بولی تو غصہ آگیا اپنے رد کیے جانے پر، اس نے آج تک زرو سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ وہ عادی نہیں تھی اس انداز کی۔ مراد کا یوں کہنا سخت برا لگا وہ اٹھ کر کمرے میں آگئی اور بستر پر گر کر رونے لگی۔

مراد کا دل ایسا اچاٹ ہوا کہ دوبارہ کام پر نہیں جاسکا، وہیں صحن میں لیٹ گیا۔ وہ کروٹیں بدلتا رہا اور ذہن برابر کھولتا رہا۔

دو روز تک اس کے اور زرین گل کے درمیان ایک طرح سے بول چال بند ہی رہی، وہ بس روٹی اور چائے کے وقت چائے اس کے سامنے رکھ دیتی اور اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کرلیتی، اس نے سوچ لیا تھا، چاچا نے اگر بہادر کو انکار کیا تو بھی وہ بہادر کے ساتھ چلی جائے گی۔ ٹھیک ہے چاچا نے مجھے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے۔ یہ اس کا احسان ہے مجھ پر مگر میرے باپ نے بھی تو اس پر احسان کیا تھا اس نے اس احسان کا بدلہ ہی تو اتارا ہے۔ وہ کون ہوتا ہے مجھے روکنے والا، اس کا کوئی حق نہیں ہے مجھ پر، میں جاؤں گی ضرور جاؤں گی۔

......*

دو روز وہ اس سے بولی نہیں، اس کی خاموشی مراد سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا معاملہ دل کا ہوتا ہے جب اس کا دل بہادر کے قبضے میں ہے تو پھر میں کیوں درمیان میں آرہا ہوں اور یوں بھی وہ مجھے کس کس رشتے میں دیکھتی ہے، ایسی بات اس سے کہوں گا تو کیا سوچے گی، وہ تو مر ہی جائے گی اور میں ساری عمر اپنے آپ سے بھی شرمسار رہوں گا پھر بہتر یہی ہے وہ بات کی ہی نہ جائے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔

صبح وہ کام پر چلا گیا شام کو واپسی ہوئی حسب معمول زرین نے خاموشی سے کھانا اس کے سامنے رکھ دیا پلٹنے لگی تو مراد نے ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔

"ناراض ہے مجھ سے" زرو کچھ نہیں بولی۔

"میں تجھے دکھ نہیں دے سکتا بلی تو جیسا چاہے گی ویسا ہی ہوگا۔"

"سچ چاچا۔" یہ سنتے ہی زرین کی آنکھیں جگمگانے لگیں۔

"بہادر آئے گا تو میں ہاں کہہ دوں گا۔" اتنا کہہ کر زرو کا ہاتھ چھوڑ کر پانی کا گلاس اٹھالیا۔

"ہائے چاچا تم کتنے اچھے ہو۔" زرین بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی جب کہ وہ گھونٹ گھونٹ پانی اپنے اندر اتار رہا تھا۔

اچانک زرین کو احساس ہوا کہ یوں اس کے سامنے خوشی کا اظہار کچھ اچھا تو نہیں لگتا وہ کیا سوچے گا۔

"کتنی بے شرم لڑکی ہے، یہ خیال آتے ہی اپنے کمرے میں بھاگ گئی شام کو بہادر جواب لینے آیا مراد نے ہاں کردی۔

اسی رات اسے شدید گھبراہٹ نے گھیر لیا کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ، درد اتنا تیز تھا کہ سارا بدن کٹ رہا تھا وہ پسینے میں نہا گیا مگر ضبط کا دامن نہیں چھوڑا، لب

پہنچ اپنے کمرے میں پڑا رہا صبح رات کی تکلیف کی بدولت چہرے سے جیسے خون نچڑا ہوا تھا زرین خود میں مگن تھی اس کی حالت دیکھی ہی نہیں۔

......*

مراد نے بہادر سے ہاں کہہ دی تھی اسے بھی بڑی جلدی تھی شادی کی تاریخ بھی مانگ لی کہنے لگا۔

"زیادہ تیاری کی ضرورت نہیں ہماری طرف سے بھی صرف میری بہن اور چند دوست ہی آئیں گے تم بھی سادگی سے رخصتی کر دینا۔"

مراد خاموش رہا بہادر چلا گیا چند روز بعد پھر آیا ساتھ میں دوست اور اس کے والد تھے انہوں نے پھر تاریخ مانگی اور آنے والے مہینے کی سات لے کر ہی اٹھے۔

مراد نے ماسی جینو سے بات کی اس سے کہا کہ۔

"انتظامات تو میں کر ہی لوں گا مگر کیا کچھ کرنا ہے' یہ تمہیں ہی بتانا ہوگا میں تو کچھ بھی نہیں جانتا' اور ماسی نے بھی خوشی سے ساری ذمہ داری اٹھالی۔

شادی کی تیاری ہونے لگی اب گھر میں ہر وقت ہی لڑکیوں کا آنا جانا رہتا تھا۔ کوئی آکر گوٹا لگانے بیٹھ جاتی تو کوئی کپڑے سینے لگتی۔ زرو خوش تھی بہت خوش اور اپنی خوشی میں اسے ساری دنیا خوش دکھائی دیتی تھی۔ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ مراد کی صحت ان چند دنوں میں کتنی گر گئی ہے۔ وہ اب وقت پر گھر بھی نہیں آتا اور کھانا پینا بھی برائے نام رہ گیا ہے ویسے وہ مراد کی مشکور بہت تھی۔ اس نے زرین کی خوشی کی خاطر ہاں کردی تھی۔

"میرا چاچا بہت اچھا ہے' بڑا پیار کرتا ہے وہ مجھ سے" سہیلیوں کے درمیان وہ کئی بار یہ بات کہہ چکی تھی' اب جو کہا تو ماسی جینو بھی موجود تھی۔ جھٹ سے بولی۔

"ہاں وہ تو تجھ سے بڑا پیار کرتا ہے پر تو نے کوئی خیال ہی نہیں کیا اس کا۔"

"کیا مطلب ماسی' میں بھی تو اتنا پیار کرتی ہوں اس سے۔"

"تو یہ اچھا پیار ہے اپنی تو کروالی شادی اور اس بے چارے کو یونہی چھوڑ دیا۔ یہ بھی خیال نہیں کیا کہ پیچھے کون خیال کرے گا اس کا۔"

"میں تو خود یہ چاہتی ہوں' چاچا کی شادی ہو جائے پر وہ کہتا تھا پہلے تیری کروں گا۔"

"چل اب تیری تو ہو رہی ہے بات کر اس سے' اپنے لیے بھی کچھ سوچ لے جلد ہی گھر سنبھالنے والی آجائے ورنہ پیچھے اکیلا کیا کرے گا وہ۔"

مراد تو بہت مصروف رہتا تھا گھر آتا تو تھکن سے چور آتے ہی پڑ کر سو رہتا۔ زرین کو بات کرنے کا موقعہ ہی نہیں مل رہا تھا۔

آخر مہندی کی رات ہی وہ ہاتھ لگا۔

یہ اس گھر میں زرو کی آخری رات تھی پھر تو اسے پرائے ہو جانا تھا آج دل بھر بھر آرہا تھا پیلے سوٹ میں ملبوس' سہیلیوں کے درمیان بیٹھی وہ بار بار آنسو پونچھ

پاک و ہند کے مقبول و معروف شاعر
بشیر بدر
کا مجموعۂ کلام
اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دے
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے
آمد (غزلیں)
بشیر بدر کی غزلیں آج کی ذہنی کیفیت اور تہذیبی فضا کی جیتی جاگتی متحرک تصویریں پیش کرتی ہیں' جن کی غزلیں تازہ ہوا کے نرم جھونکے کی طرح ذہن کو چھوتی ہوئی دل میں اُتر جاتی ہیں۔
یوں ہی بے سبب نہ پھرا کرو کوئی شام گھر بھی رہا کرو
یہ غزل کی سچی کتاب ہے اُسے چپکے چپکے پڑھا کرو
"آمد" کے سول ایجنٹ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اُردو بازار کراچی
فون نمبر 216361

رہی تھی مراد کی محبت اس کا پیار بچپن سے لے کر اب تک کتنا خیال رکھا تھا اس نے زرین کا جی چاہتا تھا آج کی رات جو مراد کے گھر اس کی آخری رات ہے مراد کے پاس بیٹھے اور بہت باتیں کرے اس سے وہی تو باپ ہے وہی ماں بھی اور وہی سہیلی بھی' اس کے ہاتھ پر مہندی لگائی گئی سہیلیوں نے گیت گائے شگن کی مٹھائی کھائی اور رات گئے اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ گھر میں سناٹا چھا گیا۔ زرین اکیلی رہ گئی مراد باہر محلے کے افراد کے پاس بیٹھا تھا اندر آیا تو بری طرح کھانس رہا تھا زرو بھاگ کر پانی لے آئی بڑی مشکل سے اس نے چند گھونٹ لیے پھر آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹ گیا۔

ماسی ٹھیک کہتی ہے اب چاچا کی شادی ہو جانی چاہیے یہ تو بیمار ہے میں کل چلی جاؤں گی پھر کون خیال کرے گا اس کا' زرین کو پریشانی لاحق ہوئی۔

"چاچا اب طبیعت کیسی ہے؟" مراد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس نے پیار سے پوچھا۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں بس ذرا کھانسی آ گئی تھی۔"

"چاچا! میں ایک بات کہنے آئی تھی تم سے۔"

"ہاں کہو' میں سن رہا ہوں۔" اس میں شاید آنکھیں کھولنے کی ہمت نہ تھی یا شاید وہ اس کو مایوں کے پیلے جوڑے میں دیکھنا نہیں چاہ رہا تھا۔

"چاچا! اب تم شادی کر لو۔"

وہ یوں پڑا رہا جیسے اس نے بات سنی ہی نہیں ہے۔

"چاچا اب تم شادی کر لو' میں ماسی سے کہوں گی وہ تمہارے لیے کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈے گی۔ اس محلے میں ہی بہت سی لڑکیاں ہیں زیادہ دیر نہیں لگے گی اسے۔"

"زرین! یہ تم کس سوچوں میں پڑ گئی ہو' مجھے نہیں کرنا شادی۔"

آج اس نے زرو اور بلی کہنے کے بجائے اس کا نام لے کر بلایا زرو نے محسوس نہیں کیا بولی۔

"بس تمہیں شادی کرنا ہے۔ دیکھو تو کتنے کمزور ہو گئے ہو تمہیں کھانسی بھی ہے کوئی تو ہو تمہارا خیال کرنے والا جب میں اگلی مرتبہ آؤں گی تو تمہاری شادی کر کے ہی واپس جاؤں گی صبح کہہ دوں گی ماسی سے' لڑکی دیکھ کر بات پکی کر رکھے۔"

"اگلی مرتبہ آؤ گی۔" مراد نے دہرایا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

"ہاں ہاں میں کوئی ہمیشہ کے لئے تھوڑی جا رہی ہوں آتی رہوں گی ملنے۔"

"مگر زرین! تم کیا کرنے آؤ گی۔ میرا مطلب ہے یہاں تو کوئی نہیں ہو گا بس تیری رخصتی کے بعد خود بھی چلا جاؤں گا۔"

"چلے جاؤ گے مگر کہاں چاچا۔" وہ حیران تھی۔

"کہیں بھی' بس یہاں نہیں رہوں گا۔"

"چاچا یہ بھلا کیا بات ہوئی۔ تم کیوں چلے جاؤ گے' یہ بھی تو سوچو پھر میں کس کے پاس آیا کروں گی' میرا میکہ کہاں ہو گا کون میرے ناز اٹھائے گا' چاچا میکے کا مان نہیں ہو گا تو میری عزت بھی نہیں ہو گی پتہ ہے' وہ جو بھابی شاہدہ سے پانچ سال ہو گئے ان کی شادی کو جب بھی میکے جاتی ہے کبھی جوڑا کبھی زیور لے کر آتی ہے پھر سارے محلے کو دکھاتی ہے کہ باپ اور بھائیوں نے دیا ہے میرا مان تو تم سے ہے تم چلے جاؤ گے چاچا۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔ "زرو' اوبلی!" مراد کی بجھتی آنکھوں کی جوت لو دینے لگی۔

"تیرا مان سلامت رہے گا۔ میں رہوں نہ رہوں تو میکے سے خالی ہاتھ نہیں جائے گی زرو! تو جب بھی یہاں آئے گی کبھی زیور کبھی کپڑے لے کر ہی جائے گی۔"

رات گہری ہو رہی تھی مگر وہ کچھ سوچ کر اٹھ کھڑا ہوا زرین نے پوچھا بھی مگر اس نے بتایا نہیں۔

صبح شادی کا ہنگامہ تھا۔ ان تنگ گلیوں کے غریب مکین ایسے موقعوں پر جی بھر کے ارمان نکالتے ہیں۔ لڑکیاں گوٹے کناری والے شوخ شوخ کپڑوں میں اٹھلائی پھر رہی تھیں۔ کسی نے بھابی کے جھمکے پہن رکھے تھے تو کسی نے بیاہی بہن سے مانگ لیے تھے

بھی بیاہی بہنوں اور سہیلیوں لی

پاؤں میں سینڈل بھی پوری نہ تھیں مگر خود کو سب

تھیں الٹرناپ میں کم نہ سمجھ رہی تھیں تیل لگے

کسی حور پری سے

بالوں کے مختلف اسٹائل بنائے گئے تھے اور ہونٹوں پر

نستی سی لپ اسٹک، ہر کوئی خوش تھی اور زرین سے

چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔

بارات آگئی اور دولہا کو دیکھ کر ہر کسی نے زرین کی

قسمت پر رشک کیا۔ رخصتی کے وقت وہ مراد کے سینے

سے لگ کر بہت روئی تھی اور مراد نے آہستہ سے اس

کے کان میں کہا تھا۔

"بہادر کو یہ کبھی مت بتانا کہ میں تمہارا سگا چچا نہیں تھا۔"

مراد جیسا جوان بھی رو رہا تھا اور دیکھنے والوں کی آنکھیں بھی نم تھیں جس بچی کے پیار میں اس نے اپنی زندگی مٹا دی خود پر ہر خوشی حرام کرلی ہر لمحے اس کا خیال رکھا آج وہ چھوڑ کر جا رہی تھی۔ بارات چلی گئی ایک ایک کرکے لوگ بھی رخصت ہوئے اور آنگن سونا ہوگیا مراد دیر تک اکیلا بیٹھا رہا پھر اٹھ کر گلی میں آگیا۔ بچے دروازے کے سامنے لگی رنگ برنگ کاغذ کی جھنڈیاں اتار رہے تھے اسے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے مگر جب وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا تو پھر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔

مراد ماسی کے گھر پہنچا تو وہ اپنی ادھڑی قمیض سی رہی تھی اس کی چال کی لڑکھڑاہٹ پر بولی۔

"لگتا ہے بہت تھک گئے ہو" آؤ بیٹھو۔"

"ماسی! میں تم سے کچھ کہنے آیا ہوں"

"ہاں ہاں کہہ لینا پہلے بیٹھ تو۔" ماسی کے کہنے پر وہ بیٹھ گیا اور بولا۔

"تم پر اعتبار ہے اسی لیے میں یہ رقم تمہارے حوالے کر رہا ہوں، پورے بیس ہزار ہیں۔"

"بیس ہزار۔" ماسی نے قمیص اور سوئی دھاگا ایک طرف رکھ دیا۔

"ہاں، میں نے مکان بیچ دیا ہے کچھ پیسہ زرو کی شادی میں لگ گیا۔ باقی یہ بچا ہے اسے اپنے پاس رکھ لے اور جب بھی زرو میکے آئے اسے جوڑا ضرور دیا کرنا۔"

"پر تو مجھے کیوں کہہ رہا ہے؟"

"اس لئے کہ میں اب جا رہا ہوں۔"

"ہیں پر کہاں؟" ماسی حیران پریشان تھی۔

"جا رہا ہوں نا کیا بتاؤں کہاں؟" مراد نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔

"یہیں رہتے سب لوگ اپنے ہیں جان پہچان والے ہیں۔"

"نہیں ماسی! مشکل ہے میرے لیے بس تو وعدہ کر، زرو کو جوڑا دیتی رہے گی، دیکھ ایسا نہ ہو وہ بڑے مان سے میکے آئے اور واپسی پر اسے شرمندہ ہونا پڑے تو اسے اپنے گھر ٹھہرایا کرنا اور جو بھی خرچ اٹھے ان پیسوں سے پورا کرلینا جب تک یہ پیسے ہیں اسے مایوس نہ کرنا۔"

"کیسی باتیں کرتا ہے مراد! زرو میری بھی تو بیٹی ہے پیسے رہیں نہ رہیں میں ماں بن کر اسے کچھ نہ کچھ دیتی رہوں گی۔"

"تیری بڑی مہربانی ماسی میرے دل سے اک بھاری بوجھ اتر گیا ہے۔"

"اچھا تو چلا کہاں؟ بیٹھ جا مجھے تیری طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔"

"میں ٹھیک ہوں، بس تھک گیا ہوں، جس کے پاس مکان بیچا ہے اس نے کل تک کی مہلت دی ہے میں کل شام تک اس مکان میں رہ سکتا ہوں۔" مراد اتنا کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

صبح ماسی جینو اس کے لئے روٹی لے کر آئی تھی بستر کے قریب کھڑے ہو کر آواز دی پھر ہاتھ بڑھا کر چھوا، نئے مالک مکان نے تو شام تک کی مہلت دی تھی پر مسافر کو جلدی تھی وہ تو صبح صادق ہی چلا گیا تھا ماسی سے وعدہ لے کر کہ زرو کے میکے کا مان سلامت رکھنا۔